

حسب نصاب تعلیم شعبہ قرآن و سنت جامعہ کراچی، ایم اے سال اول پرچہ سوم
(منظور شدہ اکیڈمک کونسل دسمبر ۲۰۰۰ء)



فاضل بریلوی کا سیاسی کردار

(تحقیقی و تاریخی جائزہ)



تحریر و تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

رئیس، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

حسب نصاب تعلیم شعبہ قرآن و سنت جامعہ کراچی، ایم اے سال اول پر چہ سو م
(منظور شدہ اکیڈمک کونسل دسمبر ۲۰۰۰ء)

فاضل بریلوی کا سیاسی کردار

تحقیقی و تاریخی جائزہ



نمبر درجہ تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری
رئیس، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

Tuaseen A. Ansari

0345-3113556.

﴿جملہ حقوق محفوظ ہیں﴾

| | | |
|----------|-------|---|
| نام کتاب | | فاضل بریلوی کا سیاسی کردار (تحقیقی و تاریخی جائزہ) |
| مصنف | | پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری (رئیس کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی) |
| ناشر | | مکتبہ نوریہ، ایس ٹی 20 سیکٹر 3-B-5-نارتھ کراچی |
| بہ تعاون | | ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی اور نوائے علم ریسرچ فاؤنڈیشن پاکستان |
| کمپوزنگ | | الناصر ریسرچ اکیڈمی، کراچی (0300-2080345/0333-2488165) |
| طباعت | | مئی 2007ء |
| صفحات | | 155 |
| قیمت | | 100/- |

﴿ملنے کے پتے﴾

- ﴿ مکتبہ نوریہ، ایس ٹی 20 سیکٹر 3-B-5-نارتھ کراچی ﴾ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی
- ﴿ ادارہ امام احمد رضا انٹرنیشنل، ۲۵ جاپان مینشن ریگل چوک صدر کراچی ﴾
- ﴿ مکتبہ غوثیہ ہوسیل، سبزی منڈی، کراچی ﴾ مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی
- ﴿ علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی ﴾ مکتبہ فیض القرآن، اردو بازار، کراچی
- ﴿ مکتبہ جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو، لاہور ﴾ مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ، لاہور

*** فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ***

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

انتساب

پیاری والدہ مرحومہ ذہراء خاتون کے نام
جن کی دعاءِ سحر گاہی نے
مجھے یہ سطور لکھنے کے قابل بنایا۔

گر قبول اُفتدز ہے عز و شرف

طلبگار دعا

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

جامعہ کراچی، کراچی

۳ مئی ۲۰۰۷ء

فہرست مضامین

| صفحہ نمبر | عنوانات | نمبر شمار |
|----------------------|---|-----------|
| 07 | سخن و جاہت | ❧ |
| 09 | نقش نوری | ❧ |
| (باب اول) | | |
| 39 | نظریہ گاؤ کشی | ❧ |
| 44 | استفتاء مسلم لیگ بریلی | ❧ |
| 45 | جواب محدث بریلی | ❧ |
| 49 | مولانا شبلی کا غلط فتویٰ | ❧ |
| 50 | واقعہ کانپور، فاضل بریلوی کی دینی و سیاسی بصیرت | ❧ |
| 56 | میثاق لکھنؤ اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کا موقف | ❧ |
| 56 | میثاق لکھنؤ | ❧ |
| 57 | علامہ اقبال کا موقف | ❧ |
| 65 | یہود، ہندو اور نصاریٰ سے تعلقات کی نوعیت پر فاضل بریلوی سے استفتاء..... | ❧ |
| باب دوم (الف) | | |
| 71 | فاضل بریلوی اور تحریک خلافت | ❧ |
| 73 | مولانا احمد رضا پر الزامات | ❧ |
| 73 | مولانا مفتی محمد عمر نعیمی کے جوابات | ❧ |
| 76 | جواب الزام نمبر ۱ | ❧ |

*** فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ***

| | | |
|----|--|---|
| 76 | جواب الزام نمبر ۲ | ⌘ |
| 76 | جواب الزام نمبر ۳، ۴، ۵ | ⌘ |
| 76 | جواب الزام نمبر ۶ | ⌘ |
| 86 | تحریک ترک موالات اور ہندو مسلم اتحاد | ⌘ |
| 86 | مسٹر گاندھی کی سیاسی چال | ⌘ |

باب دوم (ب)

| | | |
|----|-----------------------------|---|
| 93 | تحریک ہندو مسلم اتحاد | ⌘ |
|----|-----------------------------|---|

(باب سوم)

| | | |
|-----|---|---|
| 113 | تدبیر فلاح و نجات و اصلاح اور اس کے اثرات | ⌘ |
|-----|---|---|

(باب چہارم)

| | | |
|-----|---|---|
| 123 | ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ | ⌘ |
|-----|---|---|

(باب پنجم)

| | | |
|-----|-----------------------------------|---|
| 129 | فاضل بریلوی اور ان کے خلفاء | ⌘ |
|-----|-----------------------------------|---|

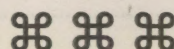
(باب ششم)

| | | |
|-----|--|---|
| 141 | تقسیم ہند اور فاضل بریلوی کے خلفاء | ⌘ |
|-----|--|---|

| | | |
|-----|-------------------------|---|
| 146 | تصویر کا دوسرا رخ | ⌘ |
|-----|-------------------------|---|

| | | |
|-----|------------------|---|
| 149 | خلاصہ کلام | ⌘ |
|-----|------------------|---|

| | | |
|-----|---------------|---|
| 153 | کتابیات | ⌘ |
|-----|---------------|---|



کلمہ تحسین

حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی (1856ء/1921ء) ابن علامہ مفتی محمد تقی علی خان قادری بریلوی (م 1880ء) برصغیر پاک و ہند کے ایک بلند پایہ فقیہ، محدث، مفسر، مفکر اور تقریباً تمام دینی اور دنیاوی علوم کے ماہر تھے۔ آپ نے جہاں دینی علوم پر سینکڑوں تصانیف بزبان اردو، عربی اور فارسی یادگار چھوڑی ہیں، اسی طرح سوشل سائنسز اور بنیادی سائنسز کی تمام برانچوں میں بھی آپ کی تصانیف کثیر تعداد میں موجود ہیں یوں مختلف علوم و فنون پر لکھی گئی کتابوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار سے زیادہ ہے، جس میں ۵۰ فیصد ہی کی طباعت ممکن ہو سکی ہے۔

حضرت فاضل بریلوی نے اگرچہ برصغیر کی سیاست میں عملاً ایک سیاسی لیڈر کی حیثیت سے کردار ادا نہ کیا مگر اس کے باوجود آپ کی نظر ہمیشہ مسلمانانِ جنوبی ایشیاء کی فلاح و بہبود پر رہتی تھی۔ آپ نے مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہوئے اپنے دور کے تمام سیاسی معاملات میں بھرپور قلمی کردار ادا کیا اور مسلمانوں کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک اور ہر آواز کے خلاف علمی و قلمی جہاد کیلئے نبرد آزما رہے، چاہے وہ تحریک خلافت کی شکل میں ہو یا تحریک ترکِ موالات کی صورت میں، جس کے باعث مسلمانانِ ہند کسی بڑے بھونچال کا شکار نہ ہوئے۔ آپ نے دو قومی نظریہ کو فروغ دیا اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور تلامذہ نے اس مشن

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

کو آگے بڑھایا اور بہت جلد ایک الگ آزاد وطن پاکستان کی صورت میں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

آپ کے سیاسی افکار پر پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری (رئیس کلیہ معارف اسلامیہ) کا جامع اور مفصل مقالہ بعنوان ”فاضل بریلوی کا سیاسی کردار“ نظر سے گزرا۔ راقم کی نظر میں اس عنوان پر یہ ایک منفرد اور قیمتی مقالہ ہے جو ڈاکٹر نوری زید مجدد نے بہت آسان زبان اور اچھے انداز میں تحریر کیا ہے۔ جس سے جامعات کے طلباء و طالبات کے علاوہ عوام و خواص بھی مستفید ہو سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ڈاکٹر موصوف کی اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

سید وجاہت رسول قادری

صدر، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی

نقش نوری

برصغیر پاک و ہند کے زعمائے ملت اسلامیہ میں اعلیٰ حضرت مجددین و ملت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ (۱۸۵۶-۱۹۲۱ء) تقریباً ۵۵ مختلف علوم و فنون (قدیمہ و جدیدہ) میں مکمل عبور رکھنے کے علاوہ علم سیاسیات میں بھی بدرجہ اتم بصیرت تامہ رکھتے تھے، گو کہ آپ طبعاً درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور فتاویٰ نویسی میں مصروف رہا کرتے تھے اور اپنے عہد کے سیاسی، جلوسوں، جلسوں اور میٹنگوں سے الگ تھلگ رہنا پسند کرتے تھے، لیکن جب اسلام اور مسلمانوں کی کئی اہم دینی و سیاسی ضرورت نے ملکی سیاسیات میں حصہ لینے کا تقاضا کیا تو آپ کبھی بھی پیچھے نہیں رہے بلکہ فوری طور پر اپنے رفقاء اور خلفاء کے ہمراہ ہر اُس مذہبی و سیاسی تحریک کی بیخ کنی کے لیے شمشیر برہنہ ہو گئے جو خلاف شرع اور مسلمانوں کے مفاد کے متصادم کام کر رہی تھی۔

دیگر علوم کی طرح آپ کا سیاسی نظریہ و پہلو بھی پاک و صاف اور واضح تھا۔ آپ کے ابتداءء موقف سے لے کر انتہا تک اس میں نہ کوئی نشیب و فراز آیا اور نہ ہی کوئی لچک پیدا ہوئی۔ غالباً اسی مضبوط موقف پر ڈٹے رہنے کی وجہ سے شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم (۱) نے آپ کے بارے میں یہ کہا تھا کہ:

”آپ بڑے غور و فکر کے بعد فیصلہ صادر کرتے ہیں، اسی لیے آپ کے صادر کیے ہوئے فیصلے میں دوبارہ رجوع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی جب کبھی آپ کسی معاملہ میں ایک مرتبہ جورائے قائم کر لیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے۔“ (۱)

حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہبی سیاسی و تصنیفی اور تدریسی دور ۱۲۸۲ھ (بمطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء) تا ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء پر محیط ہے آپ ۱۲۸۶ھ

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

میں اپنی حیرت انگیز اور متحیر العقول فطری ذکاوت کی وجہ سے ٹھیک ۱۳ سال دس ماہ ۵ دن کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔ دیگر علوم کے علاوہ علوم تفسیر، حدیث، عربی ادب اور علم فتاویٰ اور علم فقہ میں آپ کو کمال حاصل تھا۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے جن علوم و فنون کی تحصیل اپنے اساتذہ اور ذاتی مطالعہ کی بناء پر کی ان کی تعداد ۵۵ تک پہنچتی ہے۔ یہ تمام تفصیلات فاضل بریلوی نے اس عربی سند اجازات میں دی ہیں جو حافظ کتب الحرم (حرم مکہ المکرمہ کے کتب خانے کے ان کے عہد کے لائبریرین) حضرت مولانا اسماعیل خلیل کی کو عنایت کی تھی۔ اس سند کا تاریخی نام ”الاجازات الرضویہ لمجمل مکہ المہمیہ“ (۱۳۲۴ھ) ہے۔ (۱)

اس کا اندازہ مولانا ابوالحسن علی ندوی (۲) کے ان تاثرات سے بھی لگایا جاسکتا ہے، جو انہوں نے اپنے والد کی کتاب ”نزہۃ الخواطر، جلد ۸ ص ۴۱، مطبوعہ حیدرآباد دکن“ کے حاشیہ میں بیان کیا، تحریر کرتے ہیں۔

”یسندُرُ نظیرہ، فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی و جزئیاتہ
یشہد بذلک مجموعۃ فتاواہ و کتابہ و حرر والف
ایضاً بعض اثناء اقامتہ، الرسائل بالحرمین و اجاب عن
بعض المسائل التی عرضت علی علماء الحرمین و
اعجبوا بغزارة علمہ و وسعة اطلاعه علی المتون الفقیہ
والمسائل الخلافیة و سرعة تحریر و ذکائہ۔“

یعنی ”فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر ان کو جو عبور حاصل تھا اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے، اس پر ان کے مجموعہ فتاویٰ اور تصانیف شاہد عادل ہیں۔ انہوں نے دورانِ قیامِ حرین

(۱) ”الاجازات الرضویہ لمجمل مکہ المہمیہ“، ص ۳۰۱، مشمولہ رسالہ رضویہ ج ۲ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

شریفین بعض رسائل تصنیف و تالیف کئے اور بعض مسائل کے حل اور جوابات تحریر کئے جو علمائے حرمین شریفین نے آپ کو اس وقت پیش کئے۔ علماء حرمین شریفین متون فقیہ اور اختلافی مسائل پر ان کی ہم گیر معلومات، سرعت تحریر اور ذہانت کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ مولانا ابوالحسن ندوی اور ان کے والد حکیم عبدالحی لکھنوی الحسنی (3) مزید لکھتے ہیں:

”مولانا احمد رضا خان البریلوی... کان عالماً متبحراً

کثیر المطالعة واسع الاطلاع له قلم سیال حافل فی

التالیف و تبلغ مولفاته خمسائة مولفاً کبرها الفتاویٰ،

الفتاویٰ الرضویة فی مجلدات کثیرة ضخمة“.

یعنی آپ ایک ایسے عالم تبحر تھے کہ آپ کی معلومات وسیع اور مطالعہ بھی بہت زیادہ تھا۔ آپ ایک رواں دواں قلم اور تصنیف و تالیف میں جامع فکر کی حامل شخصیت تھے، تقریباً پانچ سو (1) تصانیف و رسائل کے مؤلف تھے۔ جن میں علم فقہ میں بہت بڑی اور بہت ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب ”فتاویٰ رضویہ“ ہے۔

چنانچہ فاضل بریلوی خود لکھتے ہیں:

”بارہ مجلدات تو صرف اس فقیر کے فتاویٰ کے ہیں“۔ (2)

مولانا ندوی مزید رقم طراز ہیں کہ:

”حتی برع فی العلم وفاق علی اقاربه فی کثیر من

الفنون و له اربعة عشرة من عمره“۔ (3)

(1) آپ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں جب زیارت حرمین شریفین کے لیے دوسری مرتبہ حاضر ہوئے تھے، اُس وقت تک آپ پانچ سو (۵۰۰) کتب کے مؤلف ہو چکے تھے اور اس وقت تک فتاویٰ رضویہ سات مجلدات (ہر جلد جہازی ساز کے ایک ہزار صفحات پر مشتمل) تیار ہو چکی تھیں، بعد میں یہ مجلدات بڑھ کر بارہ ہو گئی تھیں اور شائع بھی ہو چکی تھیں۔ (نوری)

(2) فتاویٰ رضویہ قدیم، ج ۳ ص ۲۳۰

(3) نزہۃ الخواطر ص ۲۱، ج ۸، مطبوعہ حیدر آباد دکن

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

یعنی ”آپ بہت سارے علوم و فنون میں اپنے ہم عصر علماء و فقہاء و زعماء پر بھی فوقیت لے گئے، جبکہ آپ کی عمر ابھی صرف ۱۴ (چودہ) برس کی تھی۔“

جب ہم اُن کے عہد کی تاریخ کا مطالعہ اور تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں فاضل بریلوی کے ہم عصر علماء و فقہاء اور محدثین میں اپنے اور بیگانے سبھی یکساں و ممتاز نظر آتے ہیں اور سب ہی اپنے عصر کے جلیل القدر اہل علم و فن میں شمار ہوتے تھے، فاضل بریلوی ان سب پر فوقیت لے گئے۔ آپ کے بارے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی اور ان کے والد کی رائے لکھنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور ان کے والد، مولانا عبدالحی لکھنوی، فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تشدد و فکری و عقائدی مخالفین میں سے تھے۔ واضح رہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی بھی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ابتدائی مؤسسين میں سے تھے اور نصابِ تعلیم ندوۃ العلماء کے ایک ممبر رہ چکے تھے، لیکن جب انہوں نے مولانا ابوالحسن ندوی کے والد اور دیگر علماء کا جھکاؤ انگریز نوازیت کی طرف مائل دیکھا تو تمام ممبران کو سمجھانے کی کوشش کی۔ اُس وقت کے ناظم ندوہ مولانا محمد علی مونگیری بہاری چونکہ بہار کے سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے، سنی المذہب تھے اور حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان گنج مراد آبادی سے بیعت تھے، اسی وجہ سے مولانا احمد رضا خان ان کا احترام بھی کرتے تھے اور مولانا شبلی نعمانی جو اس وقت صدر ندوۃ العلماء تھے اُن کی توجہ بھی اس طرف مبذول کرائی تھی لیکن اُن لوگوں نے مولانا احمد رضا کی باتوں پر کان نہ دھرا اور کسی مصلحت کے تحت ٹال مٹول سے کام لیا تھا۔ چنانچہ جب فاضل بریلوی نے یہ محسوس کیا کہ اب یہ ادارہ اپنے بنیادی اغراض مقاصد سے ہٹ کر انگریزوں کا مرکزی ادارہ بننے لگا ہے اور اس کے منشور میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ خدا کے

معاملوں کا پورا نمونہ ہے، اس کے معاملے کو دیکھ کر خدا کی رضا اور ناراضی کا حال کھل سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ادارے میں انگریزوں کے حق میں ترانے بھی گائے جانے لگے تھے اور اسی ترانے کو مولانا شبلی نعمانی نے کئی صفحات میں بقلم خود تحریر کیا تھا۔ ترانہ کے بعض اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں:

گرچہ مدح امراء میں نے نہیں کی ہے کبھی
شکر احسان مگر فطرت انسانی ہے
تیرے دربار میں پہنچیں گے جو اوراقِ سپاس
ان میں یہ پیشکش شبلی نعمانی ہے
اے ہمایوں گہر و افسر اورنگ شہی
وہ کیا تو نے جو آئین جہانبانی ہے (۱)

لہذا ایسی صورت حال میں فاضل بریلوی کے لئے ندوہ سے علیحدگی کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ آپ نے اہل ندوہ کے ان خیالات کی سخت گرفت کی نہ صرف خلوت میں بلکہ جلوت میں بھی۔ چنانچہ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں پٹنہ کے عظیم الشان جلسہ عام میں (جو ایک ہفتہ جاری رہا اور جس میں ہندوستان کے سربراہان و علماء شریک تھے) چار گھنٹے سے زیادہ طویل تقریر میں اس قسم کے خیالات پر بھی تنقید کی اور مسلمانان ہند کو اس سے (ندوہ کی حمایت و شرکت) سے باز رہنے کی تلقین کی۔ (۲) بعد میں وہاں کی فکری تنگ نظری نے مولانا شبلی نعمانی اور مولانا محمد علی مونگیری کو بھی ندوہ سے الگ کر دیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ ادارہ دارالعلوم دیوبند کا ایک ذیلی ادارہ بن گیا۔

(۱) حیاتِ شبلی، صفحہ ۲۰۶، مولف سلیمان ندوی

(۲) حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی، ص ۲۰۵-۲۰۴، مولفہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد،

مطبوعہ اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء

*** فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ***

ایک روایت کے مطابق اس وقت مولانا ابوالحسن ندوی کی عمر ۱۶ برس کی تھی اور انہوں نے ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی تھا اور اپنے بزرگوں سے سنا بھی۔ حیرت ہے کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ”زہۃ الخواطر“ کے حاشیہ میں دیگر باتوں کے فاضل بریلوی کے ندوۃ العلماء سے علیحدگی کے اسباب و علل کے حوالے سے کچھ بھی نہیں لکھا اور نہ ہی ندوہ کے قیام کے اصل اسباب، اغراض و مقاصد سے متعارف کرایا۔ جہاد آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد جس طرح مسلمانان برصغیر شدید افراتفری اور زوال کا شکار ہوئے تھے، انہیں تعلیمی میدان میں بھی پیچھے کر دیا گیا تھا۔ انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں کو سرکاری ملازمتوں سے لے کر نجی اداروں تک زیادہ ہندوؤں کے سپرد کر دیا گیا تھا اور مسلمانوں کی قطعی طور پر اہمیت ختم کر ہو گئی تھی۔ ایسی صورت حال میں انگریزوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو ہوا دے کر بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی یکجہتی، اتفاق اور اتحاد کو کمزور کرنے کی سازش کی گئی اور کئی علماء خریدے گئے۔

واضح رہے کہ ندوہ العلماء کی تاسیس پالیسی میں یہ بات شامل تھی کہ برصغیر کے مسلمانوں کے درمیان یکجہتی و ہم فکری پیدا کرنے کے لیے ندوہ کا قیام ضروری ہے۔ اس ادارے کو عقائدی و مسلکی معاملات سے بالکل الگ رکھا جائے گا، لیکن ایسا لگتا ہے کہ اس ادارے کے تاسیس کے وقت ہی کچھ ایسے افراد اس ادارے میں شامل ہو گئے تھے جو اس ادارے کو بعد میں ایک مخصوص گروہ کے عقائد و نظریات کے مطابق چلانا چاہتے تھے۔ اس طرح ہندوستان کے مشاہیر علماء و مشائخ اہلسنت کی مخالفت کے باوجود ہر مکتبہ فکر کے علماء پر مشتمل ندوہ کے قیام اور اغراض و مقاصد پر مشتمل جو میمورنڈم تیار کیا گیا تھا اس کی بھی صریحاً خلاف ورزی کی گئی۔ اس موقع پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور دیگر بڑے بڑے علماء ہند بالخصوص مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی، مولانا مفتی لطف اللہ علیگزہمی، مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی، مولانا

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

شاہ محمد حسین الہ آبادی، مولانا مفتی برہان الحق جبل پوری علیہم الرحمہ نے خصوصی طور پر کئی بار مولانا محمد علی مونگیری بہاری اور مولانا شبلی نعمانی وغیرہ سے مصالحت کی کوشش کی تھی، لیکن ہر بار عقائدی اختلافات واضح طور پر سامنے آتے رہے اور یہ ادارہ واضح طور پر چند سازشی افراد کے ہاتھوں مکمل بریغال بن گیا تھا اور انہی عناصر نے بالآخر اپنے ارادے کی تکمیل کے لئے اسی ادارے کے بانیین بالخصوص مولانا شبلی نعمانی، مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا وصی احمد سورتی اور دیگر کئی علماء کو ندوۃ العلماء سے استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس تمام کھیل میں ایک شخصیت ہر اختلافی موڑ پر سرفہرست نظر آتی ہے اور وہ ہے مولوی عبدالحی رائے بریلوی کی ذات۔ آپ ابوالحسن ندوی کے والد گرامی تھے۔ دراصل ندوہ میں 25 دسمبر 1895ء میں آپ کے شمولیت کے بعد سے ہی مقلدین کے انخلاء اور غیر مقلد اور غیر حنفی کا غلبہ شروع ہو گیا تھا۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مولوی عبدالحی کے عباء میں شریعت و طریقت کے ہفت رنگ کے پیوند رکھے تھے۔ اور کبھی بھی اپنے اصل رنگ کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ لیکن اس کے باوجود عدم تقلید ان کی عباء کا بنیادی رنگ تھا۔ بالآخر علامہ شبلی نعمانی کے استعفیٰ کے بعد 3 اپریل 1915ء کو وہ ناظم ندوہ منتخب ہو گئے اور اس طرح یہ ادارہ غیر مقلدین کا گڑھ بن گیا۔ ان کے بعد حکیم عبدالعلی لکھنوی ناظم ندوہ ہوئے اور ان کے بعد مولانا ابوالحسن علی ندوی کو ناظم بنایا گیا۔ (تفصیلات، سرگزشت و امجرائے ندوہ، مولفہ مولانا عبدالحی پبلی بھیتی، مطبع نادری پریس بریلی، ۱۳۱۳ھ ملاحظہ کیجئے)۔

جیسا کہ ہر مسلمان ملک پر قبضہ کرنے کے بعد برطانوی و امریکی استعمار مسلمانوں کو جہاد کے جذبہ سے الگ کرنے کے لئے اور ان کی بنیادیں کمزور کرنے کیلئے سازشیں کرتا ہے (اور یہی صورت حال عراق اور افغانستان میں دیکھی جاسکتی ہے)۔ اس صورت حال کا

چند دردمند دل نہایت خاموشی سے جائزہ لے رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جب تک مسلمانوں میں تعلیم کو عام نہیں کیا جائے گا اور محبت و یگانگت کو ان کے درمیان فروغ نہیں دیا جائے گا اس وقت تک یہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل نہیں کر سکتے۔ انگریزی تعلیم کو عام کرنے کے لئے سرسید احمد خان بڑا اہم کردار ادا کر رہے تھے، جبکہ مذہبی تعلیم کو نئے خطوط پر استوار کرنے کے لئے چند علمائے امت مسلسل غور و فکر میں غرق تھے۔ ایسے میں مدارس اسلامیہ کے نصاب کی اصلاح کیلئے 1893ء میں مسلمانوں کی ایک مذہبی تنظیم ندوۃ العلماء^(۱) کے قیام کی تحریک شروع ہوئی۔ بقول مولانا سید حسن ثنی ندوی کہ اصولی طور پر اس تحریک کا مرکز مدرسہ فیض عام کانپور تھا، جہاں مولانا سید محمد علی مونگیری بہاری، مولانا احمد حسن کانپوری اور دیگر علمائے اہلسنت اور دیگر نے اس نئی تنظیم و تحریک کے معاملات سرگوشیوں میں طے کئے۔ اور مدرسہ فیض عام کے سالانہ جلسہ دستار بندی کو اس تنظیم کی بنیاد رکھنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ (۲)

1310ھ میں مدرسہ فیض عام کانپور کا جلسہ دستار بندی بڑے پیمانے پر منعقد کیا گیا۔ اس جلسہ میں برصغیر کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ شریک ہوئے۔ ابتدائی تقریر مولانا مونگیری کی ہوئی اور جب انہوں نے ندوۃ العلماء کے قیام کا خاکہ پیش کیا تو تمام شرکائے جلسہ نے قبول کر لیا۔

(۱) ابتداء میں اس تنظیم کا نام مدینۃ العلماء مشہور ہوا تھا۔ لیکن بعد میں اس کو بدل کر ندوۃ العلماء کر دیا

گیا۔ ملاحظہ ہو۔ یادگار شبلی، ص 224 مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1971ء

(۲) مولانا حسن ثنی ندوی کا مضمون مجلس ندوۃ العلماء کی بین الاقوامی کانفرنس میں پڑھا گیا، مطبوعہ

روزنامہ حریت کراچی ۱۳ نومبر ۱۹۷۵ء

ڈاکٹر شیخ محمد اکرم نے ”یادگار شبلی“ میں ندوۃ العلماء کے بانی کے عنوان سے ایک تفصیلی بحث کا آغاز کیا ہے ^(۱)۔ ہر چند کہ وہ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی گفتگو کو چند افراد تک محدود رکھنے کی دانستہ کوشش کی ہے جو ایک محقق کے شایان شان نہیں، یکطرفہ حوالوں کی بنیاد پر انہوں نے بڑے بڑے فیصلے دے دیئے ہیں اور کسی ایسے عالم کا نام ندوہ کے ضمن میں نہیں آنے دیا جو باعتبار مسلک ان کا ہم خیال نہ ہو حتیٰ کہ انہوں نے حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی کا بھی ذکر نہیں کیا، جو ایک صریح نا انصافی ہے۔

حالانکہ مدرسہ فیض عام کانپور کے جلسہ دستار بندی کو فروغ دینے میں جن علمائے کرام نے حصہ لیا تھا، ان میں مولانا محمد علی مونگیری کے علاوہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی اور مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا عبدالحق تھانی دہلوی، شاہ سلیمان پھولپوری، مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا وصی احمد محدث سورتی، مولانا عادل کانپوری، مولانا کلیم سجاد کانپوری وغیرہم کا نام نمایاں نظر آتا ہے، مگر نامعلوم وجوہ کی بناء پر ندوہ کے ضمن میں ان افراد کا نام محققین عصر کی تحریروں میں بہت کم ملتا ہے جو تعصب کی ایک بدترین مثال ہے۔

البتہ مولانا سید سلیمان ندوی بہاری تلمیذ شبلی نعمانی نے ”حیات شبلی“ صفحہ 302 (مطبوعہ اعظم گڑھ 1943ء) میں یہ ضرور ذکر کیا ہے کہ ندوہ کے قیام میں شامل افراد کا رابطہ و عقیدت ایک روحانی مرکز سے بندھا ہوا تھا، جس کا نام نامی اسم گرامی مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی تھا۔ چودھویں صدی کے اوائل میں یہ ذات گرامی سارے ہندوستان کی

روحانی عقیدت کا مرکز تھی۔

ابتداء میں ندوۃ العلماء کا قیام تو بڑا ہی خوش آئند تھا لیکن درون خانہ جلدی مختلف النوع مذہبی اختلافات کا گڑھ بن گیا۔ ان اختلافات کی بڑی وجوہات میں سے ایک وجہ نمایاں تھی کہ اس میں غیر مقلدین اور نیچریوں کی تعداد اتنی واضح ہو گئی کہ ان گروہوں کے سرکردہ افراد نے ندوہ کے پلیٹ فارم کو اپنے عقائد کے پرچار کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ متنازع مسائل پر تقاریر کی گئیں اور اتحاد بین المسلمین کے بجائے تفرقہ امت کو ہادی گئی۔ اخوت اور اتحاد کا کچھ اس طرح پرچار کیا گیا کہ تمام اسلامی قیود و ضوابط کو نظر انداز کر دیا گیا۔ ”سیوف العتوۃ علی ذمائم الندوۃ“ صفحہ 4 مولفہ سید امیر احمد مجددی (مطبوعہ بریلی

1315ھ) میں ہے کہ ائمہ اربعہ کے باہمی اختلافات پر بحث و مباحثہ کر کے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ مقلدین ائمہ اربعہ پر خود ایک دوسرے کی تکفیر واجب آتی ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ مولانا سید محمد علی مونگیری بہاری جو مولانا شاہ فضل الرحمان گنج مراد آبادی کے مرید ہو گئے تھے، اپنا لب و لہجہ بدل لیا اور انہوں نے ندوہ کے دوسرے اجلاس قیصر باغ لکھنؤ منعقدہ اپریل 1895ء میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ مقلد اور غیر مقلد کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کا اختلاف ہے۔ ایک شئے شافعیہ کے نزدیک فرض یا واجب ہے اور وہی حنفیہ کے نزدیک حرام، مکروہ ہے۔ شبلی نعمانی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ فروعات دین پر ہمارا اعتقاد نہیں علم سے ہمارا مذہب ہی تعلق ہے۔

ندوہ کے تیسرے اجلاس بریلی میں مولانا عبدالحق حقانی دہلوی نے مدارس اسلامیہ کے نصاب پر سخت تنقید کی اور کہا کہ اگر ناگوار خاطر علماء نہ ہو تو صاف صاف کہہ دوں کہ پگڑی باندھ کر نکلے ہوئے عالم ہر علم میں بہت کم پایہ ہوتا ہے، فقہ میں اس قدر مہارت نہیں ہوتی کہ معاملات کا فیصلہ کر سکے۔

جلسہ لکھنؤ میں میاں نذیر حسین بہاری ثم دہلوی المعروف میاں صاحب اور انگریزوں کی مدح میں جو نظم پڑھی گئی اس کے کچھ اشعار بطور نمونہ یہاں درج کئے جا رہے ہیں:

گورنمنٹ و کٹوریہ شاد بادا دلش خرم و ملکش آباد بادا
فلک پر ہیں جب تک ستارے چمکتے زمین پر رہیں جب تک جگنو چمکتے
گلستان میں جب تک رہیں گل مہکتے درختوں پہ جب تک ہیں طائر چمکتے
رہے لارڈ الگن کا اقبال یاور مدارج ہوں لیفٹنٹ صاحب کے برتر

علمائے اہلسنت جو پہلے مرحلہ سے ہی ندوۃ العلماء میں شامل تھے، اس قسم کی باتوں اور عدم تقلید کے مسئلے کے اشاعت اور تقلید کے خلاف ندوۃ العلماء کی تقریروں اور تحریروں میں دلائل نے ان کو سخت تذبذب میں ڈال دیا۔ شیخ محمد اکرم لکھتے ہیں کہ ندوۃ العلماء میں مولانا محمود الحسن دیوبندی کی شرکت کے باوجود مولانا رشید احمد گنگوہی ندوۃ العلماء سے حسن ظن نہیں رکھتے تھے۔ (۱)

ایک مرحلہ پر علمائے اہلسنت کی دعوت اصلاح نے زور پکڑا تو اراکین ندوہ نے علمائے دیوبند اور بریلی کے دیرینہ اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علمائے دیوبند کو ندوہ میں شرکت کی دعوت دی۔ لیکن علمائے دیوبند بھی ندوہ کی مذہبی اور اخلاقی صورت حال سے آگاہ ہو چکے تھے، اس لئے انہوں نے میں شرکت کو قبول نہیں کیا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے تو ایک فتویٰ میں ندوہ کے عزائم اور قیام کی سخت مذمت کی۔ ایک شخص محمد احسان اللہ غزنوی نے آپ سے استفسار دربارہ ندوہ کیا تو آپ نے جواب میں تحریر کیا۔ یہ جلسہ، جلسہ ہمدردی اسلام میں نہیں ہے بلکہ جیسا کہ اس مسئلہ میں ظاہر کیا گیا ہے، اس کے موافق

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

باعث ہدمِ اسلام ہے، پس اس میں شرکت اور اس کی اعانت اصلاً درست نہیں ہے۔

فقط واللہ اعلم، بندہ رشید احمد عفی عنہ (۱)

یہاں تک کہ مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی اور ان کے ہم عصر بڑے بڑے علماء حرمین اور علماء ہند نے ندوۃ العلماء کے ان سازشی علماء کے عقائد و نظریات کے خلاف نہ صرف فتوے (۲) دیئے تھے بلکہ کئی روز تک ہندوستان کے کئی صوبہ جات اور اضلاع میں مناظرانہ جلسے و جلوس کرائے گئے۔ اس سلسلہ میں ندوۃ العلماء کے خلاف عظیم آباد، پٹنہ بہار کا جلسہ ایک تاریخی جلسہ کہلاتا ہے۔ اس لیے کہ اس جلسہ میں ندوہ کے خلاف ہندوستان کے تقریباً ۲۰۰ علماء و مشائخ نے شرکت کی تھی اور حضرت شاہ امین الفردوسی علیہ الرحمہ (سجادہ نشین حضرت شرف الدین یحییٰ منیری) نے صدارت فرمائی تھی۔ اور فاضل بریلوی کے ایک دوسرے خلیفہ مولانا عبد الوحید الفردوسی رئیس پٹنہ بہار نے ۵۰ ہزار روپے صرف کر کے اس عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا تھا اور وہی جلسے کے داعی بھی تھے۔ پورا صوبہ بہار اس جلسے میں اُمُتِ کُرا آ گیا تھا اور یہ جلسہ متواتر ۳ روز تک ہوتا رہا اور پٹنہ بہار سے ندوہ کے خلاف مجلہ ”تحفہ حنفیہ“ کا اجراء ہوا۔

مدرسہ حنفیہ پٹنہ بہار کافی عرصہ تک دینی، ملکی، سیاسی، علمی خدمات انجام دیتا رہا۔ اس ادارے سے حضرت فاضل بریلوی اور دیگر علمائے اہلسنت کئی کتابیں شائع ہوئیں۔ اس ادارہ نے فقہ حنفیہ کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ قابل ذکر بات تو یہ ہے کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی فاضل بریلوی کے شدید ترین مخالف ہونے کے باوجود بھی آپ کی علییت

(۱) مہر گنگوہہ در رد ندوہ، ص ۱۲، مطبوعہ بریلی ۱۳۱۴ھ

(۲) ملاحظہ ہو، فتاویٰ الحرمین برہف ندوۃ الدین، مرتبہ امام احمد رضا خان بریلوی

اور مقام کو چھپائیں سکے اور انہوں نے ”نزہۃ الخواطر“ میں آپ کے لئے ”برع فی العلم وفاق علیٰ اقارنہ فی کثیر من الفنون“ لکھ کر حق بات کی گواہی دی۔

مؤرخین کے مطابق مولانا احمد رضا خان بریلوی کے عہد میں مندرجہ ذیل علماء، محدثین، فقہاء اور مشاہیر اصفاء با حیات موجود تھے۔

- ۱۔ سیدنا شیخ الاسلام آل رسول الاحمدی المارہروی (14)، المتوفی ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ۔
- ۲۔ سیدنا ابوالحسین احمد نوری المارہروی (15)، المتوفی ۱۲ رجب المرجب ۱۳۲۲ھ۔
- ۳۔ سیدنا شیخ الاسلام علی حسین اشرفی کچھوچھوی (16)، المتوفی ۱۱ رجب ۱۳۵۵ھ۔
- ۴۔ مولانا عبدالقادر بدایونی (17) (تاج الفحول) ۱۳۱۹ھ۔
- ۵۔ مولانا عبدالحق خیر آبادی (18)، المتوفی ۱۳۱۸ھ۔
- ۶۔ مولانا نور احمد بدایونی (19)، المتوفی ۱۳۰۲ھ۔
- ۷۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلی (20)، المتوفی ۱۳۰۴ھ۔
- ۸۔ مولانا شاہ عبدالرزاق فرنگی محلی (21)، المتوفی ۱۳۰۷ھ۔
- ۹۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری (22)، المتوفی ۱۳۰۴ھ۔
- ۱۰۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی (23)، المتوفی ۱۳۳۲ھ۔
- ۱۱۔ اساتذہ العلماء مولانا ہدایت اللہ خان جونپوری (24)، المتوفی ۱۳۲۶ھ۔
- ۱۲۔ مولانا احمد حسن کانپوری (25)، المتوفی ۱۳۲۲ھ۔
- ۱۳۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی (26)، المتوفی ۱۳۳۳ھ۔
- ۱۴۔ مولانا سید ہدایت رسول لکھنوی (27)، المتوفی ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۵ء۔
- ۱۵۔ مولانا قاسم نانوتوی (28)، المتوفی ۱۲۹۷ھ۔
- ۱۶۔ نواب صدیق حسن خان قنوجی (29)، المتوفی ۱۳۰۷ھ۔

- ۱۷۔ مولانا احمد حسن امروہوی (30)، المتوفی ۱۳۳۰ھ۔
- ۱۸۔ مولانا خلیل احمد انیسٹھوی (31)، المتوفی ۱۳۴۶ھ۔
- ۱۹۔ مولانا اشرف علی تھانوی (32)، المتوفی ۱۳۶۳ھ۔
- ۲۰۔ مولانا حسین احمد دینی (33)، شیخ دارالعلوم دیوبند، المتوفی ۱۳۷۷ھ۔
- ۲۱۔ مولانا علی احمد محدث سہارنپوری (34)، المتوفی ۱۲۹۷ھ۔
- ۲۲۔ مولانا مظہر نانوتوی (35)، المتوفی ۱۳۰۲ھ، شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور۔
- ۲۳۔ میاں نذیر حسین دہلوی (36)، المتوفی ۱۳۳۰ھ۔
- ۲۴۔ مولانا انور شاہ کشمیری (37)، المتوفی ۱۳۵۰ھ۔
- ۲۵۔ مولانا محمود الحسن دیوبندی (38)، المتوفی ۱۳۳۹ھ۔
- ۲۶۔ مولانا رشید احمد گنگوہی (39)، المتوفی ۱۳۲۳ھ۔
- ۲۷۔ مولانا محمد حسین الہ آبادی (40)، المتوفی ۹ رجب المرجب ۱۳۲۲ھ، جمیر شریف۔
- ۲۸۔ مولانا شبلی نعمانی (41)، المتوفی ۱۹۱۳ء۔
- ۲۹۔ مولانا شاہ فضل الرحمان گنج مراد آبادی (42)، المتوفی ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ۔
- ۳۰۔ مولانا ابوالکلام آزاد (43)، المتوفی ۱۹۵۸ء۔
- ۳۱۔ مولانا خیر الدین دہلوی (44)، المتوفی ۷ رجب المرجب ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء، کلکتہ۔
- ۳۲۔ مولانا برکات احمد ٹوکی (45)، المتوفی ۱۳۴۷ھ۔
- ۳۳۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی (46)، المتوفی ۳ رجب المرجب ۱۳۴۴ھ۔
- ۳۴۔ مولانا انور اللہ خان حیدر آبادی (47)، المتوفی ۱۳۳۵ھ۔
- ۳۵۔ مولانا معین الدین جمیری (48)۔ وغیرہم

ان کے علاوہ اُس دور کے دیگر ممتاز و معروف علماء و اصفیاء بھی موجود تھے اور ان میں

اکثر سے مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ساتھ روابط و تعلقات تھے اور وہ آپ کو مجیدِ وقت تسلیم کرتے تھے۔

واضح رہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ تر علوم و فنون کی تعلیم اپنے والد ماجد علامہ المفتی الحاج محمد تقی علی خاں بریلوی سے حاصل کی جو اپنے عہد کے ایک عظیم فقیہ، محدث اور مفسر قرآن تھے۔^(۱)

اور انہوں نے اپنی نگرانی ہی میں اعلیٰ حضرت سے فتویٰ نویسی کا آغاز کر دیا تھا۔ رجب ۱۲۰۷ھ/ ۱۸۸۸ء میں آپ کے والد ماجد دنیا سے رخصت ہوئے تو درس و تدریس، تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ کئی طور پر فتویٰ نویسی کے فرائض بھی آپ ہی انجام دینے لگے تھے۔ اس وقت برصغیر میں مذہبی، سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے مسلمانوں کے لیے سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ مولانا کی ولادت ۱۸۵۶ء کی ہے۔ ۱۸۵۷ء میں جنگِ آزادی لڑی گئی۔

انہوں نے اپنے خاندان کے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ انگریزوں، سکھوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو بڑی بیدردی اور ظالمانہ طریقے سے برصغیر کے بڑے بڑے شہروں میں تہہ تیغ و برباد کیا تھا۔ ان کی جائیدادیں ضبط کر کے اونے پونے سکھوں اور ہندوؤں کے حوالے کر دی گئیں اور اس عہد میں مذہبی تحریک کے علاوہ جن سیاسی، اقتصادی، سماجی تحریک اور مسائل نے مسلمانوں کے لئے اور زیادہ مشکلات پیدا کیں اُن میں:

۱۔ انسدادِ "قربانی گاؤ"

۲۔ انہدام مسجد کانپور

۳۔ کانگریس کا قیام اور مسلمان علماء و زعماء کا اس سے اشتراک اور اس میں شمولیت

(۱) اثباتِ بیچہ، مصنف علامہ محمد جلال الدین قادری، ص ۲۶ حاشیہ ۳/ امام احمد رضا کے والد ماجد، مطبوعہ بمبئی

۴۔ تحریک خلافت

۵۔ تحریک ہجرت

۶۔ تحریک ترکِ موالات ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ

۷۔ ہندوستان کو دار الحرب قرار دے کر مسلمانوں کو ترکِ مکانی پر مجبور کرنا

۸۔ نظریہ اقتصادیات اور سودی معاملات

۹۔ دارالعلوم دیوبند کا قیام اور محرکات

۱۰۔ تحریک ندوۃ العلماء

۱۱۔ اور تحریک قادیانیت وغیرہ

ایسے بیسیوں واقعات تھے جن سے مولانا احمد رضا خان بریلوی نہ صرف بخوبی باخبر تھے بلکہ ہر اہم موڑ پر آپ ہندی مسلمانوں کو اس کے محرکات اور اس کے پس پردہ ہندوؤں، انگریزوں کے چھپے ارادوں کے خطرناک نتائج سے خبردار اور آگاہ کرتے رہتے تھے بلکہ ان تمام مذکورہ بالا تحریک کے خلاف تحریری طور پر نمایاں حصہ لیتے رہے بلکہ ہزاروں کی تعداد میں فتاویٰ شائع کرا کر ہندوستان کے گوشے گوشے میں مفت تقسیم کرائے اور جہاں جہاں جانے کی ضرورت پڑی خود تشریف لے گئے یا اپنے رفقاء و خلفاء کو بھیجا۔ اپنے خیالات و افکار کی نشر و اشاعت کے لئے اپنے زمانے کے تمام وسائل ابلاغ مثلاً اخبارات، رسائل، جرائد، پوسٹر، جلسوں سے خطاب، وغیرہ کو اپنا آلہ کار بنایا۔

اُس زمانے میں یہ کون باور کر سکتا تھا کہ ایک شناور ایسا بھی ہے کہ جو سیلاب کے رُخ پر نہیں بلکہ اس کے مخالف رُخ پر کھڑا بقائے ملت اسلامیہ کی جنگ لڑ رہا ہے؟ اور یہ تو سیلاب تھمنے کے بعد ہی پتہ چلا کہ کون باقی رہا اور کون بہہ چکا؟۔ مولانا بریلوی اور دیگر علماء میں یہی فرق ہے کہ دیگر علماء وقت کے دھارے میں بہتے رہے، اُن کی پالیسیاں بنتی بگڑتی رہیں۔

اُن کے بیانات تضادات کا مجموعہ بنے۔ جب کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے ایک بار جو موقف اختیار کیا تادمِ زیست اس پر قائم رہے۔ تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ خلافت، انسدادِ قربانی گاؤں، ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟، تحریکِ جدید اقتصادیات اور تحریکِ قادیانیت اور کانگریس کے سوراج کا حصول وغیرہ میں تو آپ کا موقف بڑا واضح رہا تھا اور بڑوں بڑوں کو آپ کی استقامت اور سچائی کو تسلیم کرنا پڑا، البتہ جس زمانے میں یہ موقف پیش کیا گیا ہے اس وقت ہندوستان میں ایک عجیب قسم کی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ فاضل بریلوی کو مطعون کر رہے تھے، اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے جو کچھ کہا جا رہا ہے وہی سب کچھ ہے اور وہی ٹھیک ہے۔ یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ جسے نام نہاد زعماء نے صحیح سمجھا تھا وہ غلط نکلا اور حقیقت وہی تھی جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے پیش کی تھی۔ ان کی تحریک کا ایک ایک لفظ صحیح ثابت ہوا اور ایسا سچ ثابت ہوا کہ آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی بے لوث سیاسی اور مذہبی ملی افکار کو ہی اپنا کر آپ کے خلفاء تلامذہ، متبعین، متوسلین اور احباب نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا اور بالآخر پاکستان وجود میں آ گیا۔ گویا یہ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ تخلیقِ پاکستان منطقی طور پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی فکرِ صحیح کے اثرات اور تسلسل کا لازمی نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کی وہ تمام کوششیں اور جد جہد کے دستاویزات اور آپ کے خلفاء و تلامذہ کی قربانیوں کی تفصیل فتاویٰ رضویہ کے علاوہ اس دور کے دیگر فتاویٰ، جرائد و رسائل اور اخبارات میں موجود ہے۔ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

باعث حیرت و افسوس تو یہ ہے کہ آج بھی مورخین و محققین کا ایک گروہ تحریکِ آزادیِ ہند اور تحریکِ پاکستان کے حوالہ سے قیامِ پاکستان کے لئے جان و مال اور اپنی تحریروں و تقریر

سے جدوجہد کرنے والے علماء اہل سنت و مشائخ کی خدمات کو پاکستان کی تاریخی صفحات میں مسخ کر کے پیش کرنے کی کوششوں میں مصروف و سرگرداں نظر آتا ہے۔

چنانچہ چند سال قبل جامعہ کراچی سے تاریخ عمومی کے ایک معروف اسکالر اور ایم ٹیس پروفیسر کی نگرانی میں ایک طالب علم ایچ۔ بی۔ خان نے ”تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی و علمی کردار“ کے نام سے تحقیقی مقالہ تحریر کیا اور اپنے مقالہ کے لئے مصادر و مراجعات کے حصول و تلاش میں دارالعلوم دیوبند، دفتر جمعیت علماء ہند دہلی وغیرہ اس کو جانا تو یاد رہا، لیکن مدرسہ منظر اسلام بریلی، مدرسہ قادریہ بدایوں، مدرسہ عالیہ رام پور، جامعہ نعیمیہ مراد آباد، مدرسہ اشرفیہ کچھوچھ، فیض آباد، خدابخش لائبریری پٹنہ، رضا لائبریری رامپور، مدرسہ قادریہ و آستانہ مارہرہ جیسے قدیم علمی ادارے کا دورہ کرنا موصوف کو یاد ہی نہ رہا۔ اگر موصوف صرف رضا لائبریری رامپور میں اخبار ”دبدبہ سکندری“ کی سو سالہ فائل ہی ملاحظہ کر لیتے تو ان کو پاکستان مخالف اور ہندو نواز علماء کی وہ طویل فہرست اور دستاویزاتی ثبوت مہیا ہو جاتے جس سے تاریخی حقائق سامنے آ جاتے اور تاریخ کو مسخ کرنے کے جرم سے وہ بچ جاتے۔ شاید اسی لئے اہل علم و دانش کو مذکورہ تحقیقی مقالے پر عدم ثقاہت کا گمان ہوتا ہے۔

سچا محقق وہ ہے جو احقاق حق میں اپنے اور پرانے کی تمیز نہ کرے۔ دیانتداری اور عدل سے کام لے۔ خطبات آل انڈیائی کانفرنس“ کے مرتب اور تاریخ آل انڈیائی کانفرنس کے مصنف علامہ جلال الدین قادری (کھاریاں) اپنی ایک تحریر میں اس حقیقت کو یوں آشکار کرتے ہیں:

”مورخ کا فرض ہے کہ واقعات کے بے کم و کاست جیسا کہ واقع میں رونما ہوئے ہوں قلم بند کرے، حالات کو واقعات کی صحیح عکاسی کرنا اس کی دیانتداری ہے۔ مگر بعض اوقات مورخ ابتداءً کچھ ”مفروضے“ قائم کرتا ہے،

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

پھر ان مفروضوں کی بناء پر تاریخ ”تصنیف“ کرتا ہے یا اپنی پسندیدہ شخصیت کے گرد واقعات کو جمع کرتا ہے اور بعض شخصیات کو اپنے نظریات اور معتقدات کے خلاف پا کر حقیر جانتا ہے اور ”تاریخ سازی“ کی اس مہم میں اسے بالکل نظر انداز کر جاتا ہے یا پھر (کچھ) اس طرح کا تذکرہ کرتا ہے کہ اس کے کردار کی صحیح صورت حال ہی مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔۔۔ یہی کچھ پاکستان میں آج تک ہوتا رہا ہے۔“ (۱)

مرحوم سابق وائس چانسلر جامعہ کراچی پروفیسر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا بھی یہی خیال ہے کہ تحریک جہاد یا تحریک آزادی ہند کے حوالے سے اب تک برصغیر پاک و ہند کے کتابوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ سب یک طرفہ ہے۔ یہ بات انہوں نے ۶ فروری ۱۹۷۸ء کو کراچی میں ایک ماہنامہ کے ایڈیٹر کے سوال کے جواب میں کہی تھی۔ ڈاکٹر قریشی مزید لکھتے ہیں کہ:

”میں نے محسوس کیا کہ جو کچھ تحریک جہاد کے بارے میں اب تک لکھا گیا ہے وہ سب یک طرفہ ہے یعنی صحیح واقعات کو مسخ کیا گیا ہے یا دوسرے تیسرے درجہ کے ماخذات کو ہی زیادہ ترجیح دی گئی ہے۔ اس موقع پر میں نے پروفیسر شاہ فرید الحق سے رجوع کیا اور انہوں نے مواد فراہم کیا۔

محترم قارئین! اس کا لرموصوف اپنے مطبوعہ مقالہ کے صفحہ ۳۹۰ پر لکھتے ہیں کہ:

”بقول پروفیسر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، مولوی احمد رضا بریلوی نے

بہت سے کتابچے، رسالے اور کتابیں لکھی ہیں جن کی تعداد ہزاروں تک

پہنچتی ہے۔ مگر میری نظر میں ڈاکٹر قریشی صاحب کی یہ تعداد مبالغہ آمیزی

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

پر مبنی ہے۔ گمانِ اغلب یہ ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے ایک ورقہ یا دو ورقہ یا سہ ورقہ یا اس طرح کے رسائل و ہدایت نامہ لکھے یا جاری کیے ہوں گے اور انہی رسائل کو ان کے معتقدین نے انہیں کتب کے زمرے میں شامل کر لئے ہیں۔ (۱)

۲۔ اسکا لرموصوف مزید لکھتے ہیں:

”سیاسی اعتبار سے مولوی احمد رضا بریلوی نے اپنی زندگی میں کوئی عملی کام نہیں کیا اور اُن کے مزاج میں تشدد اس حد تک غالب تھا کہ وہ اپنے خیال اور فیصلے کے خلاف موقف کی تائید میں کسی شرعی فیصلہ کو ماننے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے تھے۔“

محترم قارئین! آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پاکستان کی ایک بڑی تعلیمی درسگاہ یونیورسٹی آف کراچی میں بیٹھ کر اس قسم کے اسکالرز ”ریسرچ“ کے نام پر کس قسم کے تحقیقی کام میں مصروف عمل ہیں؟

حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کے مگر ان نے کس طرح غیر محقق اور جانبدار مقالہ کو منظور کر لیا اور محققین نے بھی بلا مطالعہ اسے منظوری کی سند عطا کر دی۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملاست

کارِ طفلان تمام خواہد شد

دور جانے کی ضرورت نہیں اگر موصوف صرف ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کے دفتر (واقع ۲۵ جاپان مینشن ریگل چوک صدر کراچی) ہی چلے جاتے تو ان کو تحریک

(۱) تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی و علمی کردار، صفحہ 220

*** فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ***

پاکستان کے حوالے سے علمائے اہلسنت کے کردار پر اس قدر مواد مہیا ہو جاتا کہ ان کو شد و حال کر کے دیوبند یا ہندو نواز اور کانگریس مزاج جماعت جمعیت علماء ہند کے دفتر دہلی کی یا ترائی کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

اگر اسرارِ موصوف مولانا احمد رضا خان بریلوی کی تصانیف یا علمی کام کے حوالے سے کوئی مدلل و مبرہن گفتگو کرتے تو ان کی بات قابل توجہ ہوتی لیکن موصوف بزعم خویش یکطرفہ الزام لگا کر محقق بننا چاہتے ہیں۔ اگر موصوف کو فرصت ملے تو مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کے حوالے سے ”تذکرہ علماء ہند“ مولفہ مولوی رحمان علی لکھنوی اور مولانا ابوالحسن ندوی کی ”نزهة الخواطر“ ج ۸ مطبوعہ حیدر آباد دکن اور ”انوارِ رضا“ مطبوعہ لاہور، معارفِ رضا کراچی کے ۲۵ واں سالنامہ شمارہ، پاکستان کے معروف اردو اخبارات ”جنگ“ اور ”نوائے وقت“ وغیرہ ہی مطالعہ کر لیتے تو انہیں امام احمد رضا کے علمی، سیاسی، ادبی اور ملی کارناموں کا بخوبی اندازہ ہو جاتا۔

شاید موصوف کے علم میں نہیں کہ اس وقت پوری دنیا کی جامعات میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کی حیات و علمی سیاسی و ادبی خدمات پر پی۔ ایچ۔ ڈی (Ph.D) کی 30 ڈگریاں دی جا چکی ہیں اور تقریباً 30 (تیس) امیدواروں کی رجسٹریشن ہو چکی ہے، جو ایک عالمی ریکارڈ ہے۔ (۱)

موصوف کنویں کے مینڈک بن کر محقق نہ بنیں۔ علمی میدان میں آ کر دیکھیں اور اپنی بند آنکھیں کھول کر کتب و اخبارات و مجلات کا مطالعہ کریں تاکہ ان کو مولانا احمد رضا خان بریلوی کی علمی، دینی، سیاسی ادبی و سماجی خدمات کا صحیح اور درست اندازہ ہو سکے۔

(۱) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، ماہنامہ ”معارفِ رضا“ کراچی کا سالنامہ شمارہ ۲۵، ۲۰۰۵ء، ص ۳۵۷ تا ۳۶۵

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

آج برصغیر پاک و ہند، بنگلہ دیش اور یورپ میں بیسیوں ادارے امام احمد رضا اور علمائے اہلسنت کے حوالے سے تحقیقی اور تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

جامعہ کراچی کے بے شمار تلامذہ اور اہل نظر محققین کے اصرار پر راقم الحروف نے یہ تحقیقی مقالہ تحریر کیا ہے، تاکہ طلباء و طالبات اور عوام و خواص کو مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی اور اُن کے خلفاء و تلامذہ اور وابستگان کی دینی، سیاسی و ملی خدمات سے صحیح اور درست طور پر باخبر کیا جاسکے اور انہیں بتایا جاسکے کہ برصغیر و جنوبی ایشیاء میں حضرت فاضل بریلوی اور اُن کے خلفاء، تلامذہ اور متوسلین علماء و زعمائے کن کٹھن اور دشوار کن حالات میں ملت اسلامیہ کی رہنمائی کی تھی؟ اور انہی کی جدوجہد اور ان کے متوسلین کی قربانیوں کے صلے میں قیام پاکستان ممکن ہو سکا۔

معروف محقق و ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

”مولانا بریلوی مذہبیات و ادبیات کے علاوہ سیاسیات میں بھی بڑی بصیرت رکھتے تھے۔ وہ ایک عظیم مدبر تھے۔ ان کے مندرجہ محققانہ رسائل نے سیاست ملیہ میں اہم کردار ادا کیا ہے اور سیاست دانوں کی رہنمائی کی ہے۔“ (۱)

(۱) انفس الفکر فی قربان البقر (۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء)

(۲) اعلام الاعلام بان ہندوستان دار السلام (۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء)

(۳) تدبیر فلاح و نجات و اصلاح (۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء)

(۴) دوام العیش فی الائمۃ من القریش (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)

(۱) حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی، ص 100، مولفہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام

احمد رضا، کراچی 1999ء

(۵) الحجۃ المومنین فی آیۃ الامتنان (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)

(۶) الطاری الداری لہفوات عبدالباری (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء)

راقم الحروف نے اپنے اس علمی بحث کا آغاز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اسی سیاسی و مذہبی فتاویٰ ”گاؤ کشی“ (انفس الفکر فی قربان البقر) سے کیا ہے، جو ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء میں مراد آباد سے آپ کی خدمت میں آیا تھا اور برصغیر میں اس وقت یہ فتویٰ مذہبی سے زیادہ سیاسی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ بڑے بڑے علماء و فقہاء اس سیلاب بلاء میں بہہ گئے تھے۔

جہاں تک گاؤ کشی کا معاملہ ہے آج بھی پاکستان، افغانستان، ہندوستان، بنگلہ دیش وغیرہ میں گائے کی قربانی شعائر اسلام میں سے ایک شعار شمار کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ ماضی میں اسلامی سلطنت ہند میں ہندوؤں کے بہکاوے میں آکر اکبر بادشاہ نے بھی گائے کی قربانی پر پابندی لگا دی تھی۔ پھر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۰۳۳ھ) کی بسیار جدوجہد اور کوشش سے جہانگیر بادشاہ کے عہد میں یہ پابندی اٹھا دی گئی تھی اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی موجودگی میں خود ”جہانگیر“ نے گائے ذبح کرائی تھی۔^(۱)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانان ہند پر انگریزوں نے بہت مظالم ڈھائے اور جنگ آزادی کی حمایت کی پاداش میں زمینیں اور جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور بعض علاقوں میں ہندوؤں میں تقسیم کر دی گئیں۔ مسلم تاجروں اور کارخانہ داروں کے کاروبار کو اجاڑ دیا گیا۔ جبکہ ہندوؤں کو خصوصی مراعات سے خوب نوازا گیا۔ ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوؤں نے دوبارہ کوشش شروع کر دی کہ گائے کی قربانی پر مکمل

(۱) احمد سرہندی مکتوبات امام ربانی، حصہ دوم۔ دفتر اول۔ مطبوعہ امرتسر ۱۳۳۳ھ۔ اور تفصیل کیلئے

ملاحظہ کیجئے۔ اثبات بیجہ، ص 3 تا 8۔ علامہ جلال الدین قادری، مطبوعہ کھاریاں، گجرات

ارشادات، مصنفہ مولانا سلیمان اشرف بہاری، صدر شعبہ علوم اسلامی علی گڑھ یونیورسٹی، انڈیا

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار.... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

پابندی عائد کر دی جائے۔ یہ وہ دور تھا جب ابھی آل انڈین نیشنل کانگریس (سال تاسیس ۱۸۸۵ھ) کا (جس کی زمام ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی اور جس کے پلیٹ فارم سے ہندوستان کی سیاسی آزادی کیلئے ایک قومی نظریہ ”ہندو مسلم بھائی بھائی“ کا نعرہ بلند کیا گیا تھا) قیام بھی عمل نہیں آیا تھا۔

ہندو وزعماء نے نہایت چالاکی سے مسلمانوں کے بھیس میں مختلف علماء ہند سے گائے کی قربانی ترک کرنے سے متعلق استفسار کئے۔ اسی سلسلہ کا متعدد سوالات پر مشتمل ایک استفتاء ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۰ء میں یوپی کے شہر مراد آباد سے امام بریلوی کے نام بھی آیا۔ امام صاحب نے سوال کرنے والوں کے اصل چہرے بھانپ لئے اور اس موضوع پر مفصل و محقق جواب تحریر فرمایا اور آخر میں لکھا:

”ہندو کی بے جا ہٹ بھارت کھنے کیلئے ایک قلم اس رسم کا اٹھا دینا ہرگز جائز نہیں۔“

یہ فتویٰ ”انفس الفکر فی قربان البقر“ (۱۸۸۰ء) کے نام سے اُن کی زندگی ہی میں بریلی سے شائع ہوا۔^(۱)

پھر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے قائم ہونے کے بعد مسلم لیگ نے اس مذہبی شعار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ لیکن انہوں نے بھی ہندوؤں کی محبت اور صدر کانگریس پنڈت دون موہن کے دباؤ میں آ کر مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور حکیم اجمل خان نے گائے کی قربانی نہ کرنے پر ۱۹۱۹ء میں ہندوؤں کی ہمنوائی کی تھی جو نہایت حیرت انگیز ہے۔ اس موقع پر بھی فاضل بریلوی نے اپنے فتویٰ میں اس غیر شرعی ہمنوائی کی بھرپور مذمت کی۔^(۲)

(۱) حیات مولانا احمد رضا بریلوی، ص ۱۰۰۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

(۲) النور، مصنفہ پروفیسر سید سلیمان اشرف، صدر شعبہ علوم اسلامیہ علی گڑھ

نوٹ: ”تحریک ترکِ گاؤ کشی“ کے عنوان سے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے اپنی تالیف ”تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم“ میں گاؤ کشی پر پابندی کے نتائج پر مفصل بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ علامہ مولانا جلال الدین قادری نے ”اثباتِ ذبیحہ“ کے نام سے ایک مفید تحقیقی رسالہ تحریر کیا ہے۔ نیز صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کے تحریکاتِ ہند پر افکار و خیالات جاننے کیلئے ”مجموعہ افاضاتِ صدر الافاضل“ مرتبہ مولانا حکیم معین الدین نعیمی مدیر سواد اعظم لاہور کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ یہ مجموعہ تحریکاتِ ہند پر کمالِ تحقیق سے نقد و نظر کرتا ہے اور اصلاحِ احوال کیلئے دائمی اصول بتاتا ہے۔ (نوری)

حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے جس زمانہ (۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء) میں گاؤ کشی کی حمایت میں پہلا فتویٰ دیا تھا، اس وقت آپ کی عمر بمشکل ۲۳ سال کی ہوگی۔ آپ کے اس سیاسی فتوے کے بعد دیگر سیاسی فتاویٰ سامنے آئے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اپنی تصنیف ”حیاتِ مولانا احمد رضا خان بریلوی“ میں اس فتوے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اس جواں عمری میں یہ سیاسی بصیرت قابلِ توجہ ہے اور بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ نے مستقبل میں اٹھنے والے جس طوفان کا اندازہ لگایا تھا وہ درست اور صحیح ثابت ہوا۔“

آپ کے اس مدلل جواب پر علمائے رام پور نے اپنی مہریں ثبت کیں۔ مولانا شبلی نعمانی کے استاد مولانا ارشاد حسین رام پوری (المتوفی ۱۳۱۱ھ) اپنے توشیحی دستخط ثبت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ”الناقد بصیر“ یعنی پرکھنے والا آنکھیں رکھتا ہے، یعنی مفتی نے مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے فتویٰ کی اصل منشاء کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا ہے۔ جبکہ اسی فتویٰ کا جواب ہندوستان کے مشہور فقیہ مولانا عبدالحی لکھنوی (المتوفی ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۶ء) نے بھی دیا جو ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء ان کے مجموعہ فتاویٰ میں شائع ہوا۔ انہوں نے سوال کے ظاہری

پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے یہ جواب دیا تھا کہ ”گاؤ کشی واجب نہیں اور تارک گنہگار نہ ہوگا۔“ (۱)

مگر جب اصل حقیقت کا پتہ چلا اور یہ معلوم ہوا کہ اس سوال کا منشاء خالص سیاسی نقطہ نظر ہے تو انہوں نے بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہوئے اپنے دوسرے فتوے میں یہ جواب دیا کہ ”گاؤ کشی کہ اسلام کا طریقہ قدیمہ ہے، ترک نہ کریں۔“ (۲)

مولانا بریلوی نے اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا:

”مولوی صاحب، ہنود کے دھوکے میں آ گئے، مسلمانوں کے خلاف فتویٰ لکھ دیا۔ تنبیہ پر متنبہ ہوئے۔ یہی سوال میرے سامنے بھی آیا تھا۔ بفضلہ تعالیٰ بہ نگاہِ اولیں مکر مکاران پہچان لیا اور ”گر بہ کشتن روزِ اول باید“ پر عمل کیا۔ واللہ الحمد (۳)

راقم الحروف اپنے اس علمی و تحقیقی بحث کو سمیٹتے ہوئے ایک مقدمہ نقش نوری اور پانچ ابواب پر ختم کرتا ہے۔

باب اول

- (الف) نظریہ گاؤ کشی اور اعلیٰ حضرت کی سیاسی دوراندیشی ۱۸۸۰ء
- (ب) مولانا شبلی نعمانی کا غلط فتویٰ، مسلم لیگ کا غلط نظریہ
- (ج) واقعہ کانپور کی سیاسی و مذہبی نوعیت اور اعلیٰ حضرت کا موقف اور اثرات

(۱) انفس الفکر فی قربان البقر، ص ۱۰، مولفہ امام احمد رضا بریلوی، مطبوعہ بریلی اور مجموعہ فتاویٰ رضویہ ج ۲

اشاعت اول ص 148

(۲) مجموعہ فتاویٰ رضویہ جدید ایڈیشن، ج 14 ص 545

(۳) ملفوظات حصہ اول ص ۷۱، مطبوعہ فرید بک سنال، لاہور

- (د) میثاق لکھنؤ اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کا شدید سیاسی موقف
- (ه) ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کا موقف
- (و) یہود و ہنود عیسائیوں سے تعلقات کی نوعیت اور مولانا احمد رضا خان بریلوی

باب دوم

- (ا) مسلمان ایک ملت واحدہ ہیں
- (ب) افکارِ رضا اور تحریکِ خلافت ۱۹۱۹ء
- (ج) دو قومی نظریہ کی بنیاد
- (د) احمد رضا پر الزامات، مفتی محمد عمر نعیمی اور دیگر علماء اہلسنت بریلی کے جوابات
- (ه) تنظیم انصار الاسلام بریلی کی تشکیل اور اغراض و مقاصد
- (و) ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات کا آغاز اور ہندو مسلم اتحاد کے پردے میں گاندھی جی کی سیاسی چال

باب سوم

- (الف) جدید اقتصادی اور سیاسی افکار کے پس منظر میں مسلمانوں کی فلاح کی راہ
- (ب) مسلمانان برصغیر کے لئے مولانا احمد رضا خان بریلوی کے اقتصادی نکات اور اسلامی بینک کے قیام کی جانب ایک خوبصورت تجویز
- (ج) مفتی محمد عمر نعیمی کی توضیحات و شریحات
- (د) اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام کی تصنیف اسباب و وجوہات

باب چہارم

- (الف) کیا مسلمان باطل قوتوں سے خوفزدہ ہو کر وطن چھوڑ جائیں؟

- (ب) ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟
- (ج) شاہ عبدالعزیز دہلوی کا فتویٰ
- (د) مفتی کفایت اللہ دہلوی اور انور شاہ کشمیری کا موقف
- (ه) مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتاویٰ
- (و) مولانا احمد رضا خان بریلوی کا جامع موقف، فتویٰ اور اثرات

باب پنجم

- (الف) امام احمد رضا اور ان کے خلفاء و مجتہدین کا ۱۹۲۵ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں اجتماع
- (ب) جمعیتہ العالیہ المرکزیه کی داغ بیل ڈالی گئی اور کئی قراردادیں ترتیب دی گئیں
- (ج) جمعیتہ العالیہ المرکزیه کے ذیلی دفاتر کا قیام (ضلع مالدہ، بنگال)، (بہار) ضلع اٹھوہ، یوپی، بنارس، گجرات، مراد آباد، بریلی، پٹنہ، بدایوں، رام پور، لاہور، دہلی، شاہ جہاں پور، اجمیر/راجھستان، کچھوچھ فیض آباد وغیرہ میں اجتماعات منعقد ہوئے اور اکابرین اہلسنت ان اجتماعات میں شریک ہوتے رہے۔

باب ششم

- (الف) تقسیم ہند اور علماء اہلسنت
- (ب) اقبال کا ۱۹۲۳ء میں خطبہ الہ آباد، حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی کا موقف و رد عمل
- (ج) ۱۹۴۲ء میں علماء اہلسنت و مشائخ کا قیام پاکستان کی حمایت کیلئے فیصلہ
- (د) ۱۹۴۶ء بنارس میں آل انڈیائی کانفرنس کا اجتماع اور قیام پاکستان کیلئے قرارداد
- (ه) تقسیم ہند اور پاکستان کا قیام

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

خلفاء امام احمد رضا اور مشائخ کا پاکستان کے حصول کیلئے جدوجہد میں کردار

(و) دربارِ رضا میں میاں عبدالرشید کا خراج عقیدت

رب کریم سے دعا ہے کہ اس خالص علمی تحقیقی کام کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

رئیس کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

۲۸ فروری ۲۰۰۷ء

(بابِ اوّل)

نظریہ گاؤ کشی

(باب اول)

نظریہ گاؤ کشی

شوال المکرم ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء کو ضلع مراد آباد سے مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں ایک استفتاء بھیجا گیا اور پوچھا گیا کہ علمائے دین مذہب حنفیہ اس مسئلہ میں کیا حکم فرماتے ہیں کہ ”گاؤ کشی کوئی ایسا امر ہے، جس کے نہ کرنے سے کوئی شخص دین اسلام سے بھی خارج ہو جاتا ہے؟ یا اگر کوئی شخص معتقدِ ابا حث ذبح ہو مگر کوئی گائے اس نے ذبح نہ کی ہو یا گائے کا گوشت نہ کھایا ہو، ہر چند کہ ”اکل“ (کھانا) اس کا جائز جانتا ہو تو اس کے اسلام میں کوئی فرق نہ آئے گا اور وہ کامل مسلمان رہے گا؟ گاؤ کشی کوئی واجب فعل ہے کہ جس کا تارک گنہہ گار ہوتا ہے یا اگر کوئی شخص گاؤ کشی نہ کرے صرف ابا حث ذبح کا دل سے معتقد ہو، تو وہ گناہ گار نہ ہوگا، جہاں بلا وجہ اس فعل کے ارتکاب سے ”ثورانِ فتنہ و فساد“ اور مقصی بہ ضرر اہل اسلام ہو اور کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہ ہو اور علمداری اہل اسلام بھی نہ ہو، وہاں بدیں وجہ اس فعل سے کوئی باز رہے! تو جائز ہے؟ یا یہ کہ بلا سبب ایسی حالت میں بقصد اثارتِ فتنہ و فساد، ارتکاب اس کا واجب ہے اور قربانی اونٹ کے معتبر ہے یا گائے کی؟^(۱)

۱۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ایک خلیفہ مولانا (پروفیسر) سید سلیمان اشرف بہاری سابق صدر شعبہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ المتوفی ۱۹۹۳ء بیان کرتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ جیسے ہی ختم ہوا اور انگریزوں کے مظالم و قاتل گری سے مسلمانانِ برصغیر سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ ہندوؤں اور سکھوں نے ان کے مظالم سے ستائے ہوئے مسلمانوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور انگریزوں کے تعاون سے بہت جلد مسلمانوں کے املاک اور دیگر جاہ و عزت کے سامان ہندوؤں اور سکھوں کے دست

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸

تصرف میں آگئے۔ ہندوں کو جب اس طرف سے ایک گونہ اطمینان پیدا ہو گیا اور انہوں نے یہ محسوس کر لیا کہ مسلمان اب کمزور ہو گئے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کے مذہبی شعار پر بھی حملہ کرنا شروع کر دیا۔ مظالم و جفا کاری کا ایک کوہ آتش فشاں تھا، جس سے انواع و اقسام کے شعلے پھٹ کر نکلتے اور جا بجا مسلمانوں کی عزت و حیثیت ان کے حقوق کے ساتھ خاک سپاہ کرنا چاہتے تھے۔ بقرعید کے موقع پر گائے کی قربانی سے جو تولاظم اور ہيجان ان میں پیدا ہوتا۔ اس کا اندازہ کرنا اب بہت مشکل نظر آتا ہے لیکن برصغیر کے غیرت مند مسلمان اپنے اس دینی وقار اور مذہبی استحقاق کو قائم رکھنے میں ہمیشہ ہمت و استقلال سے ان کی ستمگاریوں کی مدافعت کرتے رہے۔ ہندوں اور دیگر باطل فرقوں نے اسی پر بات ختم نہ کی بلکہ حسب دستور ۱۲۹۸ھ میں ایک فتویٰ جس میں اس بات پر بہت زور دیا گیا تھا کہ ”بموقع بقرعید“ گائے کی قربانی جبکہ موجب فتنہ و فساد ہے اور امن عامہ کی وجہ سے اس میں خلل آتا ہے (ہندوں کی دل آزاری ہوتی ہے) اگر مسلمان گائے کی قربانی موقوف کر دیں تو کیا مضائقہ ہے؟ یہ فتویٰ زید و عمر و بکر کے فرضی ناموں سے مختلف شہروں سے مختلف علماء کرام و مفتیان عظام کے نام بھیجا گیا تھا۔ فتویٰ کا ایک نسخہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی خدمت میں بھی بھیجا گیا تھا اور آپ نے طرز سوال ہی سے بھانپ لیا کہ ایسا سوال کس کا ہو سکتا ہے؟ آپ اس وقت ضلع نئی تال میں تھے اور آپ نے جواب میں اس موقع پر اپنا رسالہ ”انفس الفکر فی قربان البقر“ کے نام سے ترتیب دے کر پورے ہندوستان میں مفت تقسیم کرایا۔

نوٹ: اعلیٰ حضرت کے ایک خلیفہ خاص حضرت صدر الشریعہ علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ ”انفس الفکر فی قربان البقر“ کے حاشیہ پر اہم وضاحت کے عنوان سے مذکورہ استفاء کے ان تک پہنچانے کے واقعہ کی مزید تفصیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

” (ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء کا نمونہ و مصداق) ۱۲۹۸ ہجریہ کا ربیع اخیر ہے، شوال مکرّم کا ماہ منیر ہے، اس لئے خاتمة المتّقین امام المدقّقین فاضل بریلوی سے دو سوال ہوئے۔ طبیعت میں حق کی طرف رجوع۔ اس سوال سے متنبہ ہوا، لہذا اس پر فتویٰ میں رجوع فرما کر ۹ علماء کی تصدیقات کے ساتھ شائع فرمایا۔ صدر الشریعہ کے اس وضاحتی نوٹ سے جہاں امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی ژرف نگاہی اور سیاسی تدبیر کا پتہ چلتا ہے وہیں علوم اسلامیہ میں ان کی کمال دسترس اور استحضار علمی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے جس طرح دلائل و براہین سے بھرپور ایسا جواب دیا کہ جید علماء کرام کیلئے رجوع اور زعماء ملت و عوام الناس کیلئے دینی و سیاسی شعور کی بالیدگی سبب بنا۔ ملاحظہ ہو۔ فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ جدید رضا فاؤنڈیشن لاہور، صفحہ ۳۲۵ ۳۲۹۲..... (نوری غفرلہ)

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

اسی وقت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا مدلل مفصل محقق جواب بنام ”انفس الفکر فی قربان البقر“ تحریر فرمایا۔ جس سے باطل کی روشنی کی ہوئی شمعیں فوراً بجھ گئیں جواب ملاحظہ فرمائیے۔

”باقی رہا سائل کا یہ کہنا کہ اس فعل کے ارتکاب سے ”ثوران فتنہ و فساد ہوگا“، ہم کہتے ہیں کہ جن مواضع میں مثل بازار و شارع وغیرہ گاؤ کشی کی قانونی ممانعت ہے وہاں جو مسلمان گائے ذبح کرے گا البتہ ”انثار فتنہ و فساد“ اس کی طرف منسوب ہو سکتی ہے اور وہ قانوناً مجرم قرار پائے گا اور اس امر کو ہماری شرع مطہرہ بھی روا نہیں رکھتی کہ ایسی وجہ سے مسلمانوں پر مواخذے یا انہیں سزا ہونے کا باعث ہونا، بے شک تو ہیں مسلم ہے جس کا مرتکب یہ شخص ہوا۔ نظیر اس کی سب و شتم الہیہ باطلہ مشرکین ہے کہ شرع نے اس سے ممانعت فرمائی ہے، اگرچہ اکثر جگہ فی نفسہ حرج محقق نہ تھا۔

قولہ تعالیٰ:

”وَلَا تَسْبُوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسْبُوا اللَّهَ عَدُوًّا بِغَيْرِ عِلْمٍ“

ترجمہ: ”اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے“۔ (القرآن)

اور جہاں ”قانوناً“ ممانعت نہیں وہاں اگر ”ثوران فتنہ و فساد“ ہوگا تو لاجرم ہنود کی جانب سے ہوگا اور جرم انہی کا ہے کہ جہاں گائے ذبح کرنے کی اجازت ہے وہاں بھی ذبح نہیں کرنے دیتے کیا، ان کے جرم کے سبب ہم اپنی رسوم مذہبی کیسے ترک کر سکتے ہیں؟ یہ حکم بعینہ ایسا ہوا کہ کوئی شخص اغنیاء سے کہے تمہارا مال جمع کرنا باعث ثوران فتنہ و فساد و ایذائے خلق اللہ ہے کہ نہ تم مال جمع کرو نہ چور چرانے آئیں نہ وہ قید کی سخت سزا پائیں۔

اس احمق کے جواب میں بھی کہا جائے گا کہ چوری چور کا جرم ہے، اس کے سبب سے

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

ہمیں جمع مال سے کیوں ممانعت ہونے لگی؟ اور اگر ایسا ہی خیال ہندو کے فتنہ و فساد کا شرع ہم پر واجب کرے گی تو ہر جگہ کے ہندو کو قطعاً اس رسم کے لئے اٹھادیئے کی سہل تدبیر ہاتھ آئے گی، جہاں چاہیں گے فتنہ و فساد برپا کر دیں گے اور بزعم جہاں شرع ہم پر ترک واجب کر دے گی اور اس کے سوا ہمارے جس رسم مذہب کو چاہیں گے، اپنے فتنہ و فساد کی بنا پر بند کر دیں گے اور یہی واقعہ ان کے لئے نظیر ہو جائے گا کہ ایسی صورت میں تم پر اپنی رسم کا ترک شرعاً واجب ہے۔ بالجملة خلاصہ یہ ہے کہ بازار و شارع عام میں جہاں قانوناً ممانعت ہے، براہ جہالت ذبح گاؤ کا مرتکب ہونا بے شک اسلام کو تو بین ذلت کے لئے پیش کرنا ہے کہ شرعاً حرام اور اس کے سوا جہاں ممانعت نہیں وہاں سے بھی بازار ہنا اور ہندو کی بے جا ہٹ کو بجا رکھنے کے لئے یک قلم اس رسم کو اٹھادینا ہرگز جائز نہیں بلکہ ان مضرات و مہذلات کا باعث ہے جس کا ذکر ہم اول میں کر آئے ہیں جنہیں شرع مطہر ہرگز گوارا نہیں کرتی۔ (۱)

پھر ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء میں اسی مسئلہ میں ہندوؤں کی جانب سے شدت پیدا ہو گئی اور مشہور گانگریسی لیڈر ”تلک مہاراج“ نے سیواجی کو قومی ہیرو قرار دیا اور ”گنتی“ کا تہوار منانے کا فیصلہ کیا جس میں ہر سال مسلمانوں کے محرم کے موقع پر ایک دیوتا کا بُت ہاتھی پر سوار کر کے ہر گاؤں میں پھرایا جاتا تھا اور اس موقع پر تلک نے ایک تحفظ ”گاؤ کشی“ (ANTI KILLING COW COMMITTEE) مجلس قائم کی جس کی تمام ہندوستان میں شاخیں قائم کر دی گئی۔ اس ہنجانی کیفیت میں مسلمانان ہند نے پھر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی سے رجوع کیا۔ اور بیچ الاول ۱۳۱۲ھ کو بدیں الفاظ ”مجلس دادخواہی مسلمانان بریلی“ کی طرف سے استفتا بھیجا گیا کہ جناب والا دعویٰ قربانی کے جواب میں

*** فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ***

ہندو نے اپنا یہ بیان پیش کیا ہے کہ قرآن شریف میں اس فعل کی اجازت نہیں، بنیاد مذہب مدعی کی اوپر قرآن شریف کے ہے کتاب مذکورہ میں قربانی گاؤ کی ہدایات نہیں ہے، مدعی خلاف اس کے بغرض دل دکھانے مذہب ہندو کے جس کے ”دھرم شار“ میں سخت ممانعت ہے یہ فعل خلاف استحقاق کرنا چاہتا ہے، چوں کہ یہ بیان ان کے متعلق قرآن شریف و مسائل مذہب کے لئے ہے، لہذا علماء کی خدمت میں یہ استفتا ہے کہ یہ بیان ہندو صحیح ہے یا غلط؟۔

اس استفتا کا بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے پھر مفصل جواب لکھا۔ تفاسیر قرآن پاک اور احادیث نبوی ﷺ سے قربانی گاؤ ثابت کرنے کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ ”ہائی کورٹ نے مقدمہ قربانی نمبری ۶۷۸ میں تاریخ ہندو زمانہ پیش سے ثابت کیا ہے کہ اگلے ہندو اپنی دینی رسوم میں“ گیومیدہ“ یعنی گائے کی قربانی کیا کرتے تھے اور متقدمین ہندو نے اس کی تاکید کی تھی۔ تو ثابت ہوا کہ ہندو اپنی ”وید“ اور مذہبی کتابوں اور اگلے پیشواؤں سب کے خلاف بحیلہ مذہب صرف بغرض دل دکھانے مسلمانوں کے جن کے مذہب میں قربانی گاؤ کی صاف صریح اجازت ہے امر مذہبی میں مزاحمت بے جا خلاف استحقاق کرنا چاہتے ہیں جس کا عقلاً عرفاً قانوناً کسی طرح بھی انہیں اختیار نہیں ہے۔

ہمارے مذہب میں اس کا جواز اور ہندو کے یہاں ممانعت ایک پہلے میں نہیں ہماری اصل شریعت یعنی قرآن میں اس کا جواز ہے۔ قرآن مجید میں اس طرح ہے۔ ان اللہ یا مرکم ان تذبھوا بقرۃ۔ یعنی ”بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم گائے ذبح کرو“۔ اور ہندو کے مذہب میں اس کی ممانعت نہیں ہے بلکہ کتب ہندو گواہی دیتی ہیں کہ

پیشوایان ہند بھی گائے کا مزاج کھنے سے محروم نہیں رہے۔“ (۱)

زیر نظر فتویٰ ”انفس الفکر فی قربان البقر“ فاضل بریلوی کی نوعمری (صرف ۲۶ سال) کا تحریر کردہ ہے۔ شہر سے دور دیہات میں اور کتابیں پاس نہ ہونے کے باوجود سات آیات کریمہ، گیارہ سے زائد احادیث طیبہ، چار کتب فقہ کی عبارات اور دیگر کثیر دلائل و شواہد کا پیش کیا جانا آپ کے استحضارِ علمی اور ”قامہ بالقسط“ عالم ہونے کی روشن دلیل ہے۔

استفتائے مسلم لیگ بریلی:

پھر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے قائم ہونے کے بعد مسلم لیگ نے اس مذہبی شعار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور انہوں نے بھی اعلیٰ حضرت (رضی اللہ عنہ) سے ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں ضلع مسلم لیگ بریلی کے جوائنٹ سیکریٹری سید عبدالودود کے توسط سے اس مسئلہ کو بدیں الفاظ پیش کیا۔

”کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ آج کل ہندو کی طرف سے نہایت سخت کوشش اس امر کی ہو رہی ہے کہ ہندوستان سے گاؤ کشی کی رسم موقوف کرادی جائے اور اس غرض سے انہوں نے ایک بہت بڑی عرض داشت گورنمنٹ کو پیش کرنے کے لئے تیار کی ہے جس پر کروڑوں باشندگان ہندوستان کے دستخط کرائے جارہے ہیں۔ بعض نا عاقبت اندیش مسلمان بھی اس عرض داشت پر ہندوؤں کے کہنے سے دستخط کر رہے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کی بابت شرع شریف کا حکم کیا ہے؟ اور اس مذہبی رسم کے جو

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

شعائر اسلام میں سے ہے بند کرانے میں مدد دینے والے گناہ گار اور عند اللہ مواخذہ دار ہیں یا نہیں؟۔

سائل، سید عبدالودود

جوائنٹ سیکریٹری مسلم لیگ ضلع بریلی

(۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء)

جوابِ محدث بریلی:

چوں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پہلے بھی دو دفعہ اس مسئلہ پر کافی بحث کر چکے تھے، اس لئے آپ نے سہ بارہ مختصر جواب دینا مناسب سمجھا۔

آپ لکھتے ہیں کہ:

”فی الواقع گاؤ کشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے، جس کا حکم قرآن

میں متعدد جگہ موجود ہے۔ اس میں ہندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی

مضمرات میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا مگر وہ جو

مسلمانوں کا بدخواہ ہے اور ہندو کی بے جا ہٹ دھرمی بجا رکھنے کیلئے

یک قلم اس رسم کو اٹھا دینا ہرگز جائز نہیں۔ (۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔“

اسی سوال کا ایک جواب ہندوستان کے مشہور فقیہ مولانا عبدالحی لکھنوی (المتوفی

۱۳۰۴ھ) نے بھی دیا تھا جو ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں ان کے ”مجموعہ فتاویٰ“ میں شائع ہوا۔

انہوں نے پہلی دفعہ سوال کے ظاہری پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے یہ جواب دیا تھا کہ گاؤ کشی

(۱) انصاف فکر فی قربان البقرہ ص ۹ مطبوعہ بریلی، مولفہ امام احمد رضا خان بریلوی

واجب نہیں، تارک گنہہ گار نہ ہوگا۔ (۱)

واضح رہے کہ موصوف جس پایہ کے مدرس، شارح، مجتہد کتب درسیہ تھے، اس مرتبے کے فقیہ نہیں تھے۔ اسی لیے سوالوں کے جوابات میں فقہات سے کام نہیں لیتے تھے۔ (۲)

مگر جب انہیں سوالوں کے اصل حقیقت کا پتہ چلا اور یہ معلوم ہوا کہ اس سوال کا منشاء خالص سیاسی نقطہ نظر ہے تو انہوں نے بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہوئے دوسرے فتوے کا یہ جواب دیا۔ ”گاد کشی اسلام کا طریقہ قدیم ہے ترک نہ کریں۔“ جبکہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا۔

”مولوی صاحب ہنود کے دھوکہ میں آ گئے مسلمانوں کے خلاف فتویٰ لکھ دیا تنبیہ پر متنبہ ہوئے یہی سوال میرے پاس بھی آیا تھا۔ بفضلہ تعالیٰ بہ نگاہ اولین مکر مکاران پہچان لیا۔ اور ”گر بہ کشتن روز اول باید“ پر عمل کیا۔ (۳)

بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ نے مستقبل میں اٹھنے والے جس طوفان کا اندازہ لگایا تھا۔ وہ صحیح نکلا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ:

ایک طرف علمائے حق اور مسلم لیگ کے لیڈر اس مذہبی شعار کو زندہ اور قائم رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جبکہ دوسری جانب کانگریس اور اس کے حامی نام نہاد مسلمان اس مذہبی

(۱) مجموعہ فتاویٰ عبدالحی لکھنوی، ج ۲ ص ۱۳۸

(۲) حیات اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، ج ۲ ص ۱۲۲، ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری

(۳) ملفوظات مجددہماۃ حاضرہ موسیٰ ملت طاہرہ، مصطفیٰ رضا خان، ص ۱۷۱، مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور

رسم کو ختم کرانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ چنانچہ اس کی تفصیل مولانا محمد عبدالقادر بدایونی (۱) نے اپنے کتابچہ ”ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام“ (۲) میں بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”۵ نومبر ۱۹۱۳ء کو مشیر حسین قدوائی نے روزنامہ ہمدرد میں ایک مضمون چھپوایا تھا جس میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی تھی کہ چوں کہ ”اجودھیا“ ہندوؤں کا مقدس مقام ہے اس لئے وہ یہاں ہندوؤں کی خوشنودی کیلئے گائے کی قربانی موقوف کر دیں۔

نومبر ۱۹۱۳ء ہی میں مسٹر مظہر الحق صاحب نے ہمدرد دہلی میں یہ اپیل شائع کروائی تھی کہ مسلمانان کانپور اور اجودھیا والے گائے کی قربانی نہ کیا کریں۔ پھر ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت کے زمانے میں سیاسی پلیٹ فارم سے ہندوؤں کے خاطر گائے کی قربانی نہ دینے کی

- (۱) تصور پاکستان، ایک تحقیقی جائزہ، ص ۲۲، مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود وضاحت: معروف محقق سید رئیس احمد جعفری اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی تحقیق کے مطابق زیر بحث رسالہ کے مصنف مولانا عبدالقدیر بدایونی ہیں، مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ ”وراقِ گم گشتہ“ مصنفہ سید رئیس احمد جعفری، لاہور ۱۹۶۸ء، اقبال ریویو کراچی شمارہ جنوری ۱۹۷۳ء۔ اور ”تصور پاکستان، ایک تحقیقی جائزہ“ مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود، مطبوعہ ادارہ مظہر الاسلام لاہور۔
- (۲) ”ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام“ یہ رسالہ کل ۵۸ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں زیادہ سے زیادہ آخری چار صفحات تقسیم ہند کی تجویز سے متعلق ہیں۔ باقی ۵۴ صفحات گائے کی قربانی سے متعلق فقیہانہ اور فاضلانہ بحث پر مشتمل ہے۔

زیر بحث رسالے میں فقیہانہ مہارت کے ساتھ آیات قرآنی، احادیث نبوی اور کتب فقہ سے استشہاد واستدلال کیا گیا ہے۔ مصنف نے مسٹر مبشر حسین قدوائی، مسٹر مظہر الحق، مولوی فضل الحسن، حسرت موہانی، حکیم اجمل خان، مولوی عبدالباری فرنگی مٹلی وغیرہم پر تنقید کرتے ہوئے اور ان کی تحاریر اور تقاریر سے دستاویزی ثبوت پیش کرتے ہوئے ان کی گرفت کی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

”مندرجہ بالا اشخاص میں سے بجز مولوی عبدالباری صاحب کے کوئی ایک بھی ایسا بھی نہیں ہے جو اصول فقہ سے کچھ بھی واقف ہو، اس لئے شریعت کی درگاہ میں ان کا شمار جہلاء میں ہے اور نہ

ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے مطالبہ کیا۔ صدر کانگری پنڈت مدن موہن مالویہ اور صدر مسلم لیگ حکیم اجمل خان نے اس وقت اس قسم کے مطالبات کئے جو نہایت حیرت ناک تھے۔ (☆)

خود مولانا حسرت موہانی نے ”کنار پور“ جا کر یہ کوشش کی کہ مسلمان ہندوؤں کی خاطر گائے کی قربانی ہمیشہ کے لئے ترک کر دیں اور اسی طرح دسمبر ۱۹۱۹ء میں ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوشش سے مسلم لیگ نے یہ ”ریزولوشن“ پاس کیا کہ مسلمان ہندوؤں کے جذبات کا لحاظ کریں اور گائے کی قربانی از خود ترک کر دیں۔ اس موقع پر ہندوستان کے ممتاز عالم دین اور مفتی مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا بیان اخبارات میں شائع ہوا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ گائے کی قربانی یک قلم موقوف کر دیں۔ ۱۹۱۹ء میں حکیم محمد اجمل خان دہلوی نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے صدارتی خطبہ میں کہا کہ ہندوؤں کے مقدس شہروں، کاشی، اجودھیا، مٹھرا اور بندر ابن وغیرہ میں گائے کی قربانی فوراً ختم کر دی جائے اور ایک کمیٹی بنائی

بقیہ حاشیہ صفحہ 44..... ہی دینی مسائل میں ان کا قول قابل اعتماد ہے نہ ان کا فعل لائق تقلید۔

حکیم اجمل خان کی گرفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) سب سے پہلے ان کی فقہی غلطی یہ ہے کہ قربانی کو محض سنت بتلاتے ہیں، حالانکہ جمہور ائمہ مذاہب مثلاً امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام زفر، امام الحسن اور ایک روایت میں ابو یوسف (رضی اللہ عنہم) اس کو واجب بتاتے ہیں۔

(۲) حکیم اجمل صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں بکری کی قربانی کی فضیلت ثابت کرنے کیلئے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت شدہ ایک حدیث میں تغیر کر کے لفظ ”بالشاة“ (یعنی بکری) کا اضافہ کر دیا تھا، انہوں نے ان کی سخت گرفت کی اور اصل حدیث کا متن پیش کر کے کہا کہ یہ ”ایک مسلمان کے شایان شان نہ تھا کہ حضور اکرم شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے۔“

(۳) حکیم اجمل صاحب نے بھیڑ (کبش) کی قربانی کی فضیلت ثابت کرنے کیلئے جو حدیث پیش کی تھی، اس پر بھی فاضل بریلوی نے جرح کی اور اسے دلائل سے مجروح قرار دیا۔

☆ مجلہ النور ص ۱۲، مطبوعہ علی گڑھ، مولفہ مولانا سید سلمان اشرف، بہار ۱۹۲۱ء

جائے جو تمام ہندوستان میں گائے کی قربانی بند کرانے کی کوشش کرے۔ یہ کانگریسی لیڈر گاندھی کی کھلی ہوئی ہمنوائی تھی۔ مسٹر گاندھی نے ایک بار یہ اعلان کیا کہ (ہندوستان کے) طول و عرض میں ایک بھی ہندو ایسا نہیں جو کہ ایک نہ ایک دن اپنی سر زمین کو گائے کشی سے آزاد کرانے کی امید نہ رکھتا ہو۔^(۱)

مولانا شبلی کا غلط فتویٰ:

مولانا شبلی نے یہ فتویٰ دیا کہ ترکوں کی ہمدردی میں گاؤں کی قربانی کے بجائے قیمت دی جائے۔ لیکن ان کے شاگرد مولانا سید سلمان ندوی نے اپنے استاد کا ساتھ نہیں دیا۔ انہوں نے کہا کہ قربانی کے لیے ”اراقۃ الدم“ کا پایا جانا ضروری ہے، بہت سے لوگ جانور کے بدلے اس کی قیمت صدقہ کر دیا کرتے ہیں یہ مناسب نہیں۔ قربانی کے ثواب سے محرومی رہے گی۔ (نوری)

حیرت تو یہ ہے کہ اُس وقت مسلم لیگ کے ایک لیڈر حکیم اجمل خان دہلوی نے محض شہرت عام اور ہندو کو خوش کرنے کے لئے حدیث شریف کے الفاظ میں بھی تحریف کر ڈالی تو اس نازک موقع پر اعلیٰ حضرت اور اُن کے خلفاء اور تلامذہ و معتقدین بالخصوص پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اپنے رسالہ ماہنامہ ”النور“ میں حکیم اجمل کا بھرپور تعاقب کیا اور ان کے علم حدیث سے عدم واقفیت کی خوب خوب خبر لی گئی اور انہیں توبہ کرانے پر مجبور کر دیا گیا۔

پھر ۱۳۰۰ھ کے لگ بھگ اس فتنہ کو چوتھی دفعہ اٹھایا گیا تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور ان کے خلفاء و تلامذہ نے باطل کی روشن کی ہوئی شمعیں فوراً گل کر دیں۔ پھر اس کے بعد

(۱) اثباتِ ذبیحہ، ص ۱۱۵ تا ۱۱۷، علامہ جلال الدین قادری، مطبوعہ کھاریاں، گجرات

بھی ہندوؤں نے کئی دفعہ اس فتنہ کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن ہر بار اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ نے ان کی مذموم کوششوں کو بار آور نہ ہونے دیا۔^(۱)

فاضل بریلوی کے علاوہ آپ کے خلفاء، مجتہدین بالخصوص مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی، پروفیسر مولانا سید محمد سلیمان اشرف بہاری، صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا امجد علی اعظمی، مصنف بہار شریعت اور مولانا سید نعیم الدین محدث مراد آبادی اور مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہم الرحمٰن نے اس مسئلہ پر مستند کتابیں اور رسائل تحریر کئے۔^(۲) اور ”قربانی گاؤ“ اور ”تحفظ گاؤ کشی“ کے علاوہ وقت کے دیگر مسائل مثلاً واقعہ مسجد کانپور، میناق لکھنؤ، علی گڑھ کالج پر متحدہ قومیت کے پرستاروں کی یلغار اور تحریک عدم تعاون کے موقف پر قوم کی رہبری اور رہنمائی کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

واقعہ کانپور، فاضل بریلوی کی دینی و سیاسی بصیرت

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کے عہد میں ۱۹۱۳ء میں مسجد کانپور کا المیہ سامنے آیا۔ اس خونی سانحہ کا اثر تمام ہندوستان کے مسلمانوں پر ہوا کانپور محلہ مچھلی بازار میں یہ مسجد اگر برسرِ راہ تھی تو اس سڑک پر ایک مندر بھی تھا جو اے۔ بی روڈ کا مندر کہلاتا ہے۔ ہندوؤں نے چالاکی سے انگریزوں سے ساز باز کر کے مندر کو بچالیا۔

مسجد کانپور کے المیہ کے بارے میں مورخین روایت کرتے ہیں کہ فروری ۱۹۱۳ء میں ”مسجد کانپور کا واقعہ ہندوستان کی تاریخ میں انگریزی مظالم کی بدترین مثال تھی۔ انگریزوں نے شہر کی سڑک کشادہ کرنے کے لئے ابتدائی طور پر غنسل خانوں کی زمین کو حاصل کیا اور

(۱) انوارِ رضا، ص ۴۹، لاہور

(۲) ۲۰۰۲ء میں واپسائی حکومت نے اس مسئلہ کو از سر نو زندہ کیا اور ہندوستان کے اکثر صوبہ جات میں گاؤ کشی پر سخت پابندی عائد کر دی گئی۔ (نوری غفرلہ)

مسلمانانِ کانپور چیختے رہے کہ مسجد کا جزو ہونے کی وجہ سے غسل خانوں کی یہ اراضی قانوناً حاصل نہیں کی جاسکتی ہے مگر کچھ شنوائی نہیں ہوئی۔ آخر وقت میں مسلمانانِ کانپور نے گورنمنٹ (یعنی انگریز گورنر) سے رجوع کیا مگر گورنمنٹ نے اس واقعہ کو معمولی بات سمجھ کر مداخلت سے انکار کر دیا۔ کانپور کا انگریز کلکٹر اس زمانہ میں مسٹر "ٹائلر" اور امپرومنٹ ٹرسٹ کے چیئرمین مسٹر سم تھے۔ ان کی تحریک پر پولیس کی مدد سے مسجد کے غسل خانے منہدم کر دیئے گئے اور مندر کو اس طرح رہنے دیا گیا۔ اور امپرومنٹ ٹرسٹ نے برائے نام قبضہ لے لیا۔ اور اس انہدام کی خبریں اخبارات میں شائع ہونے پر مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہوئی اور تمام مسلمان لیڈر دیکھتے رہے۔ ہندوؤں اور انگریزوں کے اس کارروائی سے مسلمانانِ ہند کے مذہبی جذبات بھڑک اٹھے اور اخباروں میں اس کارروائی پر احتجاج کیا گیا۔ بالآخر ۳۲ اگست ۱۹۱۳ء کانپور اور ہندوستان کے مسلمان زعماء مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی (مدرس اوّل مدرسہ الہیات کانپور) نے مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ کیا اور جوشیلی تقریر سے مسلمانوں میں جوش و خروش پیدا کیا اور یہ طے کرایا کہ یہاں سے سب لوگ چل کر مسجد کی طرف چلیں اور ٹوٹے ہوئے حصے کو انہیں اینٹوں سے چننا شروع کر دیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پُر جوش مسلمانوں نے جن میں بچے، نوجوان، بوڑھے، مرد اور عورتیں سب ہی شامل تھے، نے مسجد کا رخ کیا اور مچھلی بازار کانپور کی جامع مسجد میں جمع ہوئے اور منہدم غسل خانوں کی جوائنٹیں موقع پر موجود تھیں وہ بغیر سالہ یا گارے کے ایک کے اوپر ایک رکھنا شروع کر دیں۔ انگریزی ڈپٹی کمشنر اور مقامی حکام نے مسلح پولیس کو بلا کر ان نہتے مسلمانوں پر فائر کھلوا دیا جس میں بے شمار مسلمان مرد، بچے، عورتیں شہید ہو گئے اور بہت سوں کو گرفتار کر کے کانپور کے تنگ جیل میں پھینک دیا گیا اور ان پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اس وقت مسلمان کانگریسی لیڈروں کا دوغلا کردار سامنے آیا۔ اس پر ہندوستان کے تمام مسلمانوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور ہر طرف مسجد کی بازیابی

کیلئے جلے جلوس ہونے لگے۔

جناب رئیس احمد جعفری اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ:

”بالآخر علمائے کرام، مشائخ عظام اور زعماء میدان میں آگئے اور ۱۶ اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمانان کانپور اور ہندوستان کے سخت دباؤ پر مسلمان معززین کا ایک وفد جس میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، راجہ صاحب محمود آباد اور سر رضا علی وغیرہ شامل تھے۔ انگریز لیفٹنٹ گورنر سے ملا اور اس پر واضح کیا کہ تمام مسجد یکساں طور پر متبرک و مقدس سمجھی جاتی ہیں خواہ وہ غسل خانہ ہو، سیڑھی یا منبر اس لئے مسجد کے کسی بھی حصہ پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔“ (۱)

اور اس مسجد کے حوالے سے جو فتویٰ مولانا آزاد سبحانی کی صدارت میں لکھا گیا تھا۔ اس فتویٰ کی موافقت میں بریلی، بدایوں، اور فرنگی محل لکھنؤ سے بھی فتوے شائع ہوئے کہ مسجد مال وقف ہونے کی وجہ سے بلا معاوضہ یا بالمعاوضہ قابل انتقال نہیں شرع اسلامی کی رو سے مسجد یا اس کے کسی جزو یا حصہ کی بیع یا مبادلہ خلاف شریعت ہے بریلی سے مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کے فتوے نے واضح کر دیا کہ ایک عالم دین کے سیاسی تدبیر اور لیڈر کی سیاسی سوچ میں کتنا فرق ہے؟ لیڈری اور سیاست یہ ہے کہ اصل حکم خداوندی سے مطابقت ہو یا نہ ہو، زمانے کا رخ دیکھ کر باتیں کی جائیں اور ذاتی مفاد حاصل کیا جائے، جبکہ عالم دین کی سیاست یہ ہوتی ہے کہ نہ مصلحت وقتی اس کے آڑے آسکتی ہے اور نہ ہی کسی حاکم کا رعب اس کو حق بات کہنے سے منع کر سکتا ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرّم ﷺ سے ڈرتا ہے اور اس کی توجہ احکاماتِ الہیہ پر ہوتی ہے، چنانچہ مسلمانوں نے گورنر کو بذریعہ تار اپنے جذبات سے آگاہ کیا لیکن یہ بھی صدا بصحراء ثابت ہوا آخر کار

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

۱۱ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو سر علی امام، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور راجہ صاحب محمود آباد پھر انگریز گورنر سے ملے اور مندرجہ بالا شرائط پر یہ بات طے ہوئی۔^(۱)

اول: مسجد کی سطح چوں کہ زمین سے کئی فٹ بلند تھی، اس لئے جس جگہ غسل خانے واقع تھے وہ بدستور تعمیر کر لئے جائیں گے۔ مگر نیچے کی زمین پر فٹ پاتھ بنا دیا جائے گا تاکہ راہ دار اس پر سے گزر سکیں۔

دوم: فوج داری کا وہ مقدمہ جس میں مسلمان ملزم سیشن سپرد ہو چکے تھے اور جس کی سماعت کے لئے مسٹر ڈی۔ آر۔ لائل کی عدالت میں تاریخ مقرر تھی وہ اٹھا لیا جائے گا شہیدوں اور مظلوموں کو مالی امداد دی جائے گی لیکن مسجد کا جو حصہ توڑ دیا گیا ہے وہ اب اسی طرح چھوڑ دیا جائے گا اور مسلمان اس کو دوبارہ بنوانے پر اصرار نہیں کریں گے اور ساتھ ہی اور جملہ ملزمان بری کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ وائسرائے ہند نے بعض قیدیوں کو چھوڑ تو دیا لیکن مولانا عبدالباری اور مسلمان لیڈروں نے اس رہائی کے بدلے مسجد کے اس حصہ کو چھوڑ دینے کا اعلان کیا جس کی وجہ سے یہ آگ لگائی گئی تھی اور ہزاروں مسلمانوں کی شہادت اور زخمی ہونے کی نوبت آئی تھی پھر مظاہرین کی گرفتاریاں بھی ہوئیں اور وہ قید و بند میں گرفتار ہوئے تھے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

چونکہ اس سمجھوتہ میں اسلامی فقہ کے مسلمہ اصول ”وقف بالعوض یا بلا عوض قابل انتقال نہیں“ کی صریحاً خلاف ورزی کی گئی تھی اور مسلمان فریق میں شامل حضرات میں سے واحد عالم دین صرف مولانا عبدالباری فرنگی محلی تھے، اس لئے قدرتی طور پر علماء اور عوام نے اس معاہدے کو رد کر دیا اور فیصلہ کی تردید میں کافی کتابیں اور رسالے لکھے گئے اور علماء حق کے

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

در دہرے قلوب تڑپ اٹھے۔ مولانا عبداللہ ٹوکنی بہاری، صدر مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ مصنف رسالہ ”عجالة الراکب فی امتناع کذب الواجب“ اور دوسرے علماء نے جب مولانا عبدالباری اور دوسرے لیڈروں پر اعتراض کیا کہ یہ فیصلہ غلط ہوا ہے، خلاف شرع مصالحت کی گئی ہے تو وہ بہت پریشان ہوئے اور ایک گول مول فتویٰ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بریلی روانہ کر دیا اور سمجھا کہ اس کا جواب شاید اُن کے حق میں ہوگا لیکن ایسا ممکن نہ ہو سکا۔

امام احمد رضا نے جواباً لکھا کہ جب ایک عالم کو یہ اعتراف ہے کہ یہ کارروائی احکام اسلامیہ کے خلاف ہے تو اس پر مصالحت کرنا کیونکر روا ہو سکتا ہے؟۔ اس فیصلے میں مذہبی دست اندازی کی گئی ہے، مسلمانوں کے نزدیک یہ جگہ مسجد کے لیے وقف ہے اور اس کا قبضہ مسلمانوں کو حاصل ہونا چاہیے۔

اس موقع پر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی تصنیف ”ابانة المتواری فی مصالحة عبدالباری“ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی، امام احمد رضا کے دوستوں میں تھے، ان کے ساتھ مراسم قدیمہ تھے لیکن جب بیان مسئلہ (عبدالباری کی مصالحت میں مضمخر خرابی کا اظہار) شرعیہ کا آیا تا انہوں نے اظہار حق میں کوئی تکلف نہیں کیا۔ چنانچہ مسئلہ ہذا کے بیان کی ابتداء میں وہ خود فرماتے ہیں:

”امید واثق ہے کہ جواب سوال میں اظہار حق سنگ راہ قدیمہ نہ ہوگا۔“^(۱)

اعلیٰ حضرت نے اپنے موقف میں مزید لکھا کہ:

”وقف بالعوض یا بلا عوض قابل انتقال نہیں“ کے ثبوت میں قرآن اور احادیث مبارکہ اور فقہی دلائل و براہین کے انبار لگا دیئے۔ اعلیٰ حضرت نے پچاس دلائل قاہرہ پیش کئے

(۱) رسالہ ”ابانة المتواری فی مصالحة عبدالباری“، فتاویٰ رضویہ جدید، ج ۱۶ ص ۳۷۲،

مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا، پور پندر انڈیا

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

اور وقف کے ہر پہلو کو واضح فرمایا کہ مخالفین کو بھی اعتراف و قبول کے بغیرہ چارہ نہیں رہا تھا۔ مذکورہ رسالہ کے جواب میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور ان کے دوستوں ابوالکلام آزاد وغیرہ نے دفاع کرنے کی ناکام کوشش اور ”جامع جزئیات فقہ“ کے نام سے ایک چھ ورتی رسالہ شائع کیا۔ اعلیٰ حضرت کے ایک عظیم معروف خلیفہ اور شاگرد شیخ المدر سین مدرسہ منظر اسلام بریلی، مولانا حکیم ابوالعلاء امجد علی اعظمی نے بزبان عربی جواباً، ”قامع الواهیات من جامع الجزئیات“ شائع کیا اور مزید دوسو دلائل پیش کر کے مولانا فرنگی کے غلط مفروضہ کے تار و پود کو اس طرح بکھیر دیا^(۱) کہ اس کے بعد مولانا عبدالباری اور ان کے ہم جماعت کسی عالم کو اعلیٰ حضرت کے صحیح موقف سے اختلاف کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی حکومت برطانیہ کو اس واقعہ کے بعد مسلمانوں کے تبرک مقامات کی ہتک کرنے کی ہمت ہو سکی۔ اس طرح مسجد کانپور کی حیثیت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی کوششوں سے ہمیشہ کے لئے مصلحت پرستوں کی دستبرد سے محفوظ ہو گئی۔ اخباروں میں بکثرت مضامین اس پر اطمینان کے شائع ہوئے۔ روہیل کھنڈ گزٹ بریلی یکم نومبر ۱۹۱۳ء میں نواب مشتاق احمد امر وہی نے اپنے کالم میں لکھا کہ مولانا احمد رضا خان کے فتوے کے بعد اس مسئلے کے مذہبی پہلو کے تحفظ سے ہم کو بالکل مطمئن ہو جانا چاہیے۔

اس واقعہ کے حوالے سے مجھے یہ بتانا مقصود ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی جس مسئلے میں ایک رائے قائم کر لیتے تھے اس میں کبھی تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ بخلاف اور لیڈروں، سیاسی علماء کے کہ ان کی تحقیقات کا سایہ ابھی پچھم ہے ذرا دیر میں پورب کی طرف ہو گیا۔ جس طرح پہلے مولانا شبلی نعمانی نے وائسرائے ہند کی مخالفت کی اور پھر بعد میں یہ لکھا:

گرچہ مدح امراء میں نے نہیں کی ہے کبھی
شکر احسان مگر فطرت انسانی ہے

تیرے دربار میں پہنچیں گے جو اوراقِ سپاسی
ان میں یہ پیشکشِ شبلی نعمانی ہے

اس طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے شرعی فیصلے اور آپ کے فتوے کے اثرات
معاشرے اور حکومتی سطح پر تابدیر قائم رہے اور یہ فتاویٰ آج بھی اسی طرح مسلمہ ہیں اور
انشاء اللہ تا حشر باقی رہیں گے۔

میشاق لکھنؤ اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کا موقف میشاق لکھنؤ:

ہندوستان کی تاریخ میں ۱۹۱۵ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان معاہدات
میں سے ”میشاق لکھنؤ“ جسے ”لکھنؤ پیکٹ“ بھی کہا جاتا ہے، ایک اہم سیاسی معاہدہ ہے۔ اس
معاہدے کی صدارت ”سریندر ناتھ بنرجی“ نے کی اور مسلم لیگ کی طرف سے محمد علی جناح
اور راجہ محمود آباد نے صدارتی فرائض انجام دیئے۔ مطالعہ پاکستان کے مؤلفین یہ لکھتے ہیں
کہ میثاق لکھنؤ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک حقیقت پسندانہ اور منصفانہ سمجھوتہ تھا،
جس سے ہندو اور مسلمان دونوں ہی مطمئن ہو گئے تھے۔ حکومت برطانیہ کو ایک مشترکہ
تجویز دی گئی تھی۔

اس مسئلہ میں بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی سیاسی بصیرت کام آئی۔ اس میثاق
کی تفصیلات محمد احمد خان اپنی تصنیف ”اقبال کا سیاسی کارنامہ“ میں اس طرح بیان کرتے
ہیں کہ:

”۱۹۱۵ء میں کانگریس اور مسلم لیگ میں مفاہمت کی کوشش شروع
ہوئی اور بالآخر ۱۹۱۶ء میں ان دونوں جماعتوں کے مابین وہ معاہدہ

طے پایا گیا جو ”میثاق لکھنؤ“ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میثاق کو ہندوستانی سیاست میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کے ذریعے مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق دیا گیا تھا اور صوبائی مجالس متقنہ میں مسلم نشستوں کا اسی طرح تعین کیا گیا تھا کہ جہاں مسلمان اکثریت میں تھے وہاں ان کی آبادی کے تناسب سے کچھ نشستیں گھٹا دی گئی تھیں اور جہاں وہ اقلیت میں تھے وہاں ان کو آبادی کے تناسب سے کچھ زیادہ نشستیں دی گئی تھیں۔ یہ بھی طے پایا تھا کہ مرکزی مقننہ میں ۵۰۴ منتخب شدہ اراکین اور مسلمان اراکین کا تناسب منتخب شدہ اراکین کے ایک تہائی کے مساوی ہوگا اور اس امر پر بھی راضی نامہ ہو چکا تھا کہ اگر کسی جماعت کے تین چوتھائی اراکین کسی مسودہ قانون یا تحریک کی مخالفت کریں تو ایسا مسودہ قانون یا تحریک ایوان میں پیش نہیں کی جاسکے گی۔“

بظاہر یہ دلکش اور مفید ”میثاق لکھنؤ“ اپنے اندر بہت سے مضمرات لئے ہوئے تھا۔ جو کسی وقت بھی مسلمان قوم کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لئے اس وقت کے ہمدرد ملت مسلم زعماء کو تفکرات لاحق ہوئے۔ اُن میں حضرت علامہ ڈاکٹر اقبال اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پیش پیش تھے، جنہوں نے اس کی شدید مخالفت کی، جیسا کہ مولانا عبد المجید سالک ”ذکر اقبال“ ص ۱۰۲ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء میں رقم طراز ہیں:-

علامہ اقبال کا موقف:

”علامہ اقبال اس میثاق کے شدید مخالف تھے، کیونکہ اس کے ماتحت

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

مسلم اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کو موثر اقتدار نہ ملتا تھا اور مسلم اقلیت والے صوبوں میں پانگ کی وجہ سے ان کو کوئی خاص فائدہ نہ پہنچا تھا اس کے علاوہ علامہ (اقبال) کا خیال یہ تھا کہ ایسا میثاق اسی صورت میں مفید ہو سکتا ہے کہ ہندوستان میں قومیت متحدہ کی داغ بیل ڈالنا منظور ہو اور حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں قومیت متحدہ کی تعمیر ناممکن ہے اور نہ ہی اس وقت اس کے لئے کوئی کوشش کرنا مفید ہے۔“

جبکہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی نے اس معاہدہ کی مخالفت اسی بناء پر کی تھی کہ یہ درپردہ مسلم قومیت کو ختم کرنے کی ایک خطرناک سازش و کوشش تھی۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے اس مثبت سوچ اور غور و فکر پر ممتاز مسلم لیگی رہنما مرحوم سید ہاشم رضا لکھنوی جو قیام پاکستان کے بعد کراچی شہر کے میئر بھی رہے، بیان کرتے ہیں کہ:

”۱۹۱۶ء میں میثاق لکھنؤ کے ذریعے جو ہندو مسلم اتحاد کی کوشش کی گئی تھی۔ مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نے شدید مخالفت کی تھی اور ہندو مسلم کی الگ الگ قومیت کا نعرہ بلند کیا تھا۔ (۱) اور آنے والے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ مولانا بریلوی اور علامہ اقبال کا موقف ہی درست اور صحیح تھا۔

اسی طرح ہندوستانی سیاسی تحریک میں دو نام نہاد تحریک ”تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات یا عدم تعاون“ کا بھی ذکر آتا ہے۔ اس کے لیڈروں میں صرف مولانا عبدالباقی فرنگی محلی کی ذات گرامی ہی ایسی تھی جو ماہر اسلامیات اور مذہبی رہنما کے طور پر

(۱) ماہنامہ اظہار کراچی۔ ۱۹۸۶ء، مقالہ سید ہاشم رضا

مسلمہ حیثیت رکھتی تھی۔

رہ گئے مولانا ابوالکلام آزاد تو ان کو فاضل بریلوی عالم ماننے کو تیار نہیں تھے۔^(۱) دوسرے رہنماؤں مثلاً مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی اور ظفر الملک وغیرہ کا شمار نہ تو عالموں میں ہوتا تھا اور نہ ہی وہ اسلامی فقہ اور سیاسیات عالمیہ پر عبور رکھتے تھے۔

چنانچہ جب مولانا فرنگی محلی کے غیر محتاط خلاف اسلام کلمات اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نظر سے گزرے تو ان کا دل خون کے آنسو رو نے لگا۔ خط و کتابت کے ذریعے افہام و تفہیم چاہی لیکن مولانا فرنگی محلی پر گاندھی کی اندھی عقیدت کا نشہ اس قدر شدت سے طاری تھا کہ اعلیٰ حضرت کی یہ مساعی بار آور ثابت نہ ہوئی تو پھر آپ نے مجبور ہو کر ایک فتویٰ ”الطاری الداری لہفوات عبد الباری“ مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے رد میں جاری کیا اور ذرا سخت لہجے میں مولانا عبد الباری فرنگی محلی کو حضور ﷺ کا پیغام سنایا اور بدلائل قاہرہ ان پر واضح کیا کہ مولانا آپ جس راہ پر چل رہے ہیں وہ کوئے یار کی طرف نہیں بلکہ وادی کفار کی طرف ہے۔ چنانچہ اپنے ایک فتویٰ میں مولانا فرنگی محلی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”دائم نہ رسی بکعبہ اے پشت براہ کیس کہ توئی روی بہ انگلستاں است“۔^(۲)

”الکفر ملتہ واحدة“ کے تحت ہندو، سکھ، یہودی، عیسائی کی کوئی تمیز نہیں، یہ ہمیشہ سے ایک ہیں اور اسلام کے خلاف ایک ہی رہیں گے، لہذا ہندو مسلم بھائی کا نعرہ لگانا چھوڑ دیں۔

(۱) حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی، ص ۱۲۴ تا ۱۲۷، مصنفہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد،

مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

(۱) فتاویٰ رضویہ (جدید) ج ۱۶ ص ۳۰۷، مطبوعہ پور بندر، انڈیا

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد اس دور کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

”سیاسی اعتبار سے جہاں تک سلطنت عثمانیہ، مقامات مقدسہ اور سلطان المسلمین کی حاکمیت تسلیم کئے جانے کا تعلق ہے، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی دوسرے مسلمان لیڈروں سے قطعی متفق تھے، انہیں تو صرف اُن کے اس طرزِ عمل سے اختلاف تھا جو اس سلسلہ میں گاندھی کے زیرِ اثر اور زیرِ قیادت اختیار کیا گیا تھا۔ مسلمان لیڈروں نے ایسی مذہبی اور سیاسی غلطیاں کیں تھیں جن کی تلافی مدتوں تک نہ ہو سکے گی۔“ الطاری الداری لکھنؤات عبدالباری“ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو غیرت دلائی تھی اور ثابت کیا تھا کہ مولانا آپ اپنے اسلاف کے علی الرغم غلط راہ پر بڑ گئے ہیں اور مسلمان قوم کی تباہی کا بار بحیثیت ایک علمی دینی روحانی پیشوا ہونے کے آپ پر پڑے گا۔ اس تالیف کے مطالعہ سے مولانا عبدالباری کے سینہ میں دینی حمیت کی جو چنگاری دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی اور آپ صراطِ مستقیم پر واپس آ گئے۔ چنانچہ مولانا عبدالباری نے روزنامہ ”ہمد“ لکھنؤ میں اپنا توبہ نامہ بدیں الفاظ میں شائع فرمایا:

”میں نے بہت گناہ کئے اور بہت سے نادانستہ سب کی توبہ کرتا ہوں۔

اے اللہ! میں نے وہ امور قولاً وفعلاً، تقریراً و تحریراً جو بھی کئے ہیں جن کو میں گناہ نہیں سمجھتا تھا اور مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے ان کو کفر یا ضلال یا معصیت ٹھہرایا ہے۔ ان سب سے اور ان کے مانند امور سے بھی جن میں میرے مرشدین اور مشائخ سے میرے لئے کوئی قد وہ نہیں ہے، محض مولوی صاحب موصوف پر اعتماد کر کے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ کبھی بھی ہندوؤں اور غیر مسلموں سے اتحاد و دوستی نہیں رکھوں گا۔ اے اللہ! میری توبہ قبول کر“ اور مجھے توفیق

دے کہ تیری معصیت کا ارتکاب نہ کروں۔“ (۱)

یہاں تک نوبت محض اس لئے پہنچی کہ تحریک خلافت کی قیادت ابتداء سے انتہاء تک مہاتما گاندھی کے ہاتھوں میں تھی، حتیٰ کہ کانگریس نواز عالم ابوالکلام آزاد تولاً و عملاً گاندھی جی کے ہمنا ہو چکے تھے۔ (۲)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کا یہ فتویٰ۔ ایک جلیل القدر عالم دین کو راہ راست پر لانے میں کس قدر موثر ثابت ہوا؟ بقول صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، حضرت مولانا عبدالباری کے اس توبہ کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ”الطاری الداری“ کے تمام نسخے جلا دینے کا حکم دیا اور ایسا ہی ہوا۔ (۳)

واضح رہے کہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی اور مولانا امجد علی اعظمی کی موجودگی میں توبہ نامہ چھپوایا تھا۔

اسی طرح مسٹر گاندھی نے مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا کے ساتھ مل کر علی گڑھ کالج (۴) کے خلاف ایک سازش تیار کی تھی یہ کالج شروع ہی سے مولانا محمود الحسن دیوبندی المعروف اسیر مالٹا اور ان کے ہم نوا علماء کی نظر میں بری طرح کھٹکتا تھا اور ان کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح اس ”بت“ کو ڈھا دیا جائے۔ آخر مسٹر گاندھی کے ایما پر مولانا محمود الحسن دیوبندی اسیر مالٹا اور ابوالکلام آزاد نے پروگرام بنایا اور مسلمانوں کے قائم کردہ علی گڑھ

(۱) روزنامہ ”ہمد“، لکھنؤ، جس ۳۳ کالم ۲۰، ۲۱ مئی ۱۹۲۱ء

(۲) تحریک خلافت، جس ۲۵۳، از قاضی محمد عدیل عباسی، مطبوعہ قومی کونسل نئی دہلی

(۳) روزنامہ ”ہمد“، مئی لکھنؤ ۱۹۲۱ء، بحوالہ حیات صدر الافاضل، جس ۳۳، لاہور

(۴) اس کالج کو دسمبر ۱۹۲۰ء میں یونیورسٹی کی حیثیت دی گئی۔ (نوری)

کالج، اسلامیہ کالج لاہور اور دیگر گئے چنے کالجوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے پروگرام بنایا۔ چنانچہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ علی گڑھ میں اڈہ جمالیا۔ کالج کے طلباء کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے ارشاد فرمایا:

”میں امید کرتا ہوں کہ میری معروضات سے آپ کو آپ کے سوالات کا جواب مل جائے گا اور علی گڑھ کی عمارتوں، کتب خانوں وغیرہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی آپ کو دستک دے گا کہ قسطنطنیہ، شام، فلسطین اور عراق کی قیمت سے ان چیزوں کو کیا نسبت ہے؟“

مولانا محمود الحسن کے فتاویٰ ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی کی تقریریں اور خطبات آخر میں رنگ لائے۔ ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی جوہر کی زیر سرکردگی نام نہاد مجاہدین نے کالج پر ہلہ بول دیا۔ خدا بھلا کرے ڈاکٹر سر ضیاء الدین، مولانا حبیب الرحمن خان شیردانی اور فاضل بریلوی کے خلیفہ پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف بہاری وغیرہم پر کہ ان کی بلند ہمتی اور مساعی عظیم سے کالج مکمل تباہی اور شکست و ریخت سے بچ گیا (۱)۔ اور بعد میں

(۱) علی گڑھ کالج کے بانی سر سید احمد خان کے معتقدات سے علمائے اہلسنت بشمول حضرت فاضل بریلوی کا سخت اختلاف ایک تاریخی حقیقت ہے مگر کالج کے طلبہ کی تعلیم اور تعلیمی مدارس کی سرپرستی اور حمایت کا فریضہ نہایت دل سوزی کے ساتھ انجام دیا۔ فاضل بریلوی نے سید احمد خان علی گڑھی کے بارے میں اپنے مجموعہ فتاویٰ میں لکھا ہے:

”ایک شخص قوی ترقی، قومی اصلاح، بہروپ بدل کر نکلا۔ جملہ کتب تفسیر و فقہ و حدیث سے انکار کیا۔ تمام ضروریات دین سے منہ موڑا اور بکا کہ نہ حشر ہے نہ نشر، نہ دوزخ نہ بہشت، نہ فرشتہ ہے، نہ جبریل نہ صراط۔“ (فتاویٰ رضویہ قدیم، ج ۶ ص ۸۲ تا ۸۶، مطبوعہ مبارک پور، اعظم گڑھ/ حیات جاوید، مصنفہ الطاف حسین حالی)

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

اس کالج نے یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی اور اس کے نوںہالوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔

ڈاکٹر احسان رشید سابق وائس چانسلر جامعہ کراچی کے والد پروفیسر رشید احمد صدیقی جو اس وقت کالج میں پروفیسر تھے، بیان کرتے ہیں کہ:

”۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے، نان کو آپریشن کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر ہے۔

”گائے کی قربانی“ اور ”موالات“ پر بڑے بڑے جید علماء اور مستند لوگوں

نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے، اس زمانہ کے اخبارات،

تقاریر، تصانیف کا اب اندازہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیا سے کیا

ہو گیا؟ کالج میں عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی، مرحوم (پروفیسر سید محمد

سلیمان اشرف بہاری) مطعون ہو رہے تھے، لیکن چہرہ پر اثر تھا اور

نہ معمولات میں کوئی فرق۔ کہتے تھے، شید! دیکھو علماء کس طرح لیڈروں

کا کھلونا بنے ہوئے ہیں اور لیڈروں نے مذہبی اصول اور فقہی مسائل کو

کیسا گھروندا بنا رکھا ہے؟ بالآخر مولانا سلیمان اشرف نے ان مباحث پر

قلم اٹھایا اور دن رات قلم برداشتہ لکھتے رہتے اور مجھے کہتے اس کو کہتے ہو

ہڑگم اور سمجھتے ہو کہ یہ تمام علماء جو کچھ کہتے ہیں غلط ہے؟ اور میں یوں ہی

ہانکتا ہوں۔ یہ بات نہیں، ہم تم زندہ رہے تو دیکھ لیں گے کہ کون حق پر تھا

اور کون ناحق پر؟“ (۱)

سیلاب گزر گیا جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا، لیکن سلیمان اشرف مرحوم نے اس

(۱) گنج ہائے گرانمایہ، ص ۲۰-۱۹، مولفہ پروفیسر رشید احمد صدیقی، مطبوعہ آئینہ ادب لاہور

عہد سراسمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی۔ اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا اور آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ سارے علماء سیلاب کی زد میں آچکے تھے صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے۔

علی گڑھ کالج کے فاقین نے اب اسلامیہ کالج لاہور کی طرف رخ کیا اور اس گروہ کا قائد وہ شخص تھا جس کی زندگی کا ہر لمحہ اور سانس گاندھی جی کی اندھی تقلید کیلئے وقف تھا یعنی ابوالکلام۔

اعلیٰ حضرت بریلوی نے ہندوستانی سیاست میں اس قائد کے طرز عمل کو مسلمانان ہند کے لئے نقصان دہ اور ان کے سیاسی مفاد کے خلاف قرار دیتے ہوئے انہیں تنقید کا نشانہ بنایا اور ان کا بھرپور تعاقب کیا۔^(۱)

غرض کہ ابوالکلام، ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو لاہور پہنچے اور انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل میں ممبران کو اپنا ہم نوا اور ہم خیال بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور ابوالکلام کے حامیوں نے ابوالکلام زندہ باد کے نعرے بھی لگائے اور قریب تھا کہ انجمن کے ارکان ابوالکلام کے حق میں رائے دیتے، سر شیخ عبدالقادر مرحوم اپنی جگہ سے اٹھے اور ان کی جذباتی لیکن ناعاقبت اندیشانہ تقریر کا اپنی متین اور سنجیدہ اور علمی دلائل سے بھرپور تقریر سے انہیں جواب دیا۔

اس کے بعد انجمن حمایت اسلام نے جس کے اس وقت سیکریٹری جنرل حضرت علامہ ڈاکٹر اقبال تھے، یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایسے علماء سے رجوع کیا جائے جو مسٹر گاندھی کے حلقہ اثر سے باہر ہوں اور ”اعلائے کلمۃ الحق“ جن کا شعار ہو۔ چنانچہ مولوی حاکم علی صاحب

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور نے ایک ”فتویٰ“ ترتیب دیا اور تصدیق کے لئے مختلف علماء کی خدمت میں ارسال کیا جن میں مولانا احمد رضا خان بریلوی بھی شامل تھے۔۔

ذیل میں پروفیسر مولوی حاکم علی کا ترتیب دیا ہوا فتویٰ اور وہ خط ملاحظہ ہو جو مولوی صاحب نے اس فتویٰ کے ساتھ فاضل بریلوی کو ارسال کیا تھا۔

یہود، ہنود اور نصاریٰ سے تعلقات کی نوعیت پر فاضل بریلوی سے استفتاء

اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ ’تولیٰ‘ سے منع فرمایا ہے، مگر ابوالکلام آزاد ”تولیٰ“ کے معنی معاملات اور ترک موالات کو ترکِ معاملات قرار دے رہے ہیں اور یہ صریحاً زیادتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے کی جا رہی ہے۔

مذکورہ (ابوالکلام آزاد) نے ۲۰ اکتوبر کو (انجمن حمایت اسلام) کی جنرل کونسل کی میٹنگ میں تشریف لا کر یہ اعلان کر دیا کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کی جائے اور یونیورسٹی سے اس کا قطعاً الحاق نہ کیا جائے تب تک انگریزوں سے ترک موالات نہیں ہو سکتی یعنی انگریز حکومت کا سیاسی اور مذہبی سطح پر مقاطعہ نہیں ہو سکتا اور اسلامیہ کالج لاہور کے لڑکوں کو فتویٰ دے دیا ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو، لہذا اس طرح سے کالج میں بے چینی پھیلا دی کہ پھر پڑھائی کا نقصان ہونا شروع ہو گیا۔ علامہ ابوالکلام آزاد کا یہ فتویٰ غلط ہے۔ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق قائم رہنے سے اور امداد لینے سے معاملات قائم رہتی ہے نہ کہ موالات جس کے معنی محبت کے ہیں نہ کہ کام کے جو کہ معاملات کے معنی ہیں۔ مذکور کی اس زبردستی سے اسلامیہ کالج تباہ ہو رہا ہے۔ مولوی محمود الحسن صاحب مولوی عبدالحی صاحب تو دیوبندی کے ہیں، زبردستی فتوے اپنے مدعا کے دیتے ہیں، لہذا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے۔ میرے فتویٰ کی تصحیح ان اصحاب سے کرائیں جو دیوبندی نہیں، لہذا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے

ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے۔

مندرجہ بالا فتویٰ کو حاکم علی صاحب نے ایک خط کے ساتھ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی خدمت میں ارسال کیا تاکہ وہ اس کی تصدیق و تائید فرمادیں۔ خط حسب ذیل ہے۔

آقاے نامدار مؤید ملت طاہرہ

امام احمد رضا خان صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پشت ہذا پر فتویٰ مطالعہ گرامی کے لئے ارسال کر کے التجا کرتا ہوں کہ دوسری نقل کی پشت پر اس کی تصحیح فرما کر احقر نیاز مند کے نام بواپسی ڈاک اگر ممکن ہو سکے تو آج ہی یا کم از کم دوسرے روز بھیج دیں۔ انجمن حمایت اسلام کی کونسل کا اجلاس 31 اکتوبر 1920ء کو ہونا قرار پایا ہے، اس میں یہ پیش کرنا ہے۔ دیوبندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں تامل نہیں کیا۔ ہندوؤں اور گاندھی کے ساتھ موالات قائم کر لی ہے اور مسلمانوں کے کام میں روڑے اٹکانے کی ٹھان لی ہے۔

لہذا عالم حنفیہ کو ان کے ہاتھ سے بچائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

نیاز مند دعا گو

حاکم علی

بی۔ اے موتی بازار، لاہور

۱۲۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء (۱)

حضرت فاضل بریلوی نے اس فتویٰ کی تصدیق فرمائی اور لکھا کہ ”وہ الحاق و اخذ امداد، اگر کسی امر خلاف اسلام و مخالف شریعت سے مشروط، نہ اس کی طرف منجر، تو اس کے جواز میں کلام نہیں ورنہ ضرور ناجائز و حرام ہوگا۔“

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

چنانچہ اعلیٰ حضرت کی اس تحریک کو حمایت اسلام کی جہل کونسل کی میٹنگ میں پیش کیا گیا اور ممبران کونسل نے اس فتویٰ کو قبول کر لیا اور یہ عظیم درس گاہ بھی اغیار کی دستبرد سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا یہ فتویٰ سات صفحات پر مشتمل ہے اور ”رسائل رضویہ“ جلد دوم مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء کے صفحہ ۸۱ تا ۸۷ تک پھیلا ہوا ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت فاضل بریلوی کے مذکورہ بالا فتویٰ سے اسلامیہ کالج لاہور بھی نادان دوستوں کی یلغار سے محفوظ ہو گیا بلکہ ان کے ناپاک ارادوں پر حسرت و ندامت کی اوس پڑ گئی۔ اس طرح تحریک ترک موالات کے حامیوں میں سے ایک صاحب (مولوی عزیز الرحمن، سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول لائل پور) نے ایک طویل استفتاء مرتب کیا جو حضرت فاضل بریلوی کی خدمت میں بریلی بھیجا گیا۔ حضرت فاضل بریلوی نے اس کا جواب ایک مفصل فتویٰ ترتیب دیا جو بعد میں ”المحجة المؤتمنة فی آية الممتحنه“ (۱) کے نام سے مشہور ہوا اور یوں دو قومی نظریہ پر ایک ایسی دستاویز وجود میں آئی جس نے ہر موقع پر اور ہر مشکل میں مسلمانان برصغیر کے لئے دلیل راہ کا کام دیا۔ اس فتویٰ میں حضرت فاضل بریلوی نے قرآن حکیم کی آیت:

” لا ینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوا کم فی الدین ولم یخرجوکم

من دیارکم ان تبروہم و تقسطوا الیہم ان اللہ یحب المقسطین“ (۲)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ تمہیں ان (کافروں) سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ کرو، بے شک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں۔“

(۱) یہ پورا فتویٰ رئیس احمد جعفری کی کتاب ”اوراق گم گشتہ“ مطبوعہ لاہور میں موجود ہے۔ اور

فتاویٰ رضویہ جدید، ج ۱۴ ص ۴۱۹، مطبوعہ پور بندرا ٹڈیا میں بھی موجود ہے۔ (نوری)

(۲) سورۃ الممتحنہ، آیت ۷، پارہ نمبر ۲۸

واضح رہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اس عنوان پر مفصل بحث کی ہے اور تمام مستند تفاسیر و کتب فقہ مثلاً تفسیر رازی، روح البیان، تفسیر ابوالمسعود اور ہدایہ اور اقوال فقہاء و علماء کی روشنی میں مخالفین کے اس استدلال کہ غیر محارب ہنود کے ساتھ مودت و محبت جائز بلکہ فرض ہے کے تار و پور یکھیر دیئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کا ولی اور دوست کا فر نہیں ہو سکتا، کیوں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مسلمانوں پر راہ نہ کرے گا۔ عدم تعاون کے حامی لیڈروں کو مذکورہ آیہ مبارک کے سمجھنے میں جو ٹھوکر لگی اس کا ابطال کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فرمایا:

”ان صاحبوں سے یہ بھی پوچھ دیکھئے کہ سب جانے دو آیہ کریمہ ”لاینبھکم“ پر مشرک غیر محارب کو عام ہو کر محکم ہی سہی اور مشرکین ہند میں کوئی محارب بالفعل نہ سہی، آیہ کریمہ نے کچھ نیک برتاؤ مالی مساوات ہی کی رخصت دی یا یہ فرمایا کہ ان کی بے پکارو، انہیں مساجد المسلمین میں باادب تعظیم پہنچا کر مسند مصطفیٰ ﷺ پر لے جا کر، مسلمانوں سے اونچا بٹھا کر واعظ و ہادی مسلمین بناؤ، گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ، قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ (۱) اور ان کے سرغنہ کو کہو کہ خدا نے ان (گاندھی) کو تمہارے پاس مذکر بنا کر بھیجا یعنی معنی نبوت جماؤ۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مزید فرماتے ہیں کہ:

”اگر بغرض باطل ان (رہبران گم کردہ راہ) کی یہ شتر گریگی مان بھی لی جائے تو عام مشرکین ہند کو ”لم یقاتلوا کم فی الدین“ کا مصداق ماننا آنکھ پر ٹھیکری رکھنا ہے کیا وہ ہم سے دین نہ لڑے؟ کیا قربانی کا دھڑپران کے سخت ظالمانہ فساد پرانے ہو گئے؟ کیا

(۱) یہ پورا رسالہ رئیس احمد جعفری نے اپنی کتاب ”اوراق گم گشتہ“ مطبوعہ لاہور ۱۹۲۸ء میں شامل کیا

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

کنٹار پور، آراء، بہار اور کہاں کہاں کے ناپاک و ہولناک مظالم جو ابھی تازے ہیں، دلوں سے نکل گئے؟ بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کئے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے، ناپاکوں نے مسجدیں ڈھائیں، قرآن پاک کے اوراق پھاڑے اور جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لینے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ (۱)

پھر حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

”یہ ہے ہندوؤں کے ساتھ دوستی کا نتیجہ، ان ہندوؤں نے ۱۹۱۳ء میں اجودھیا میں قربانی گاؤں پر فساد کیا۔ ۱۹۱۴ء میں مظفر نگر میں بلوہ کیا۔ ۱۹۱۷ء میں بلیا، اعظم گڑھ اور شاہ آباد بہار میں بڑے پیمانے پر مسلمان قتل کئے گئے۔“

حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی نے تحریک موالات اور عدم تعاون کے حامیوں اور گاندھی کے افعال و اقوال کی اپنی تحریروں اور فتوؤں سے پر زور تردید فرمائی، اور اس طرح آپ نے غیر منقسم ہند میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ میں مرکزی کردار ادا کیا جو آگے چل کر مسلمانوں کی علیحدہ خود مختار مملکت کے مطالبے اور تحریک پاکستان کا محرک بنا۔

باب دوم (الف)

فاضل بریلوی اور تحریکِ خلافت

باب دوم (الف)

فاضل بریلوی اور تحریک خلافت

1919ء میں ”تحریک خلافت“ اور اس تحریک کے ساتھ ساتھ دو اور تحریکوں کا آغاز ہوا یعنی ”تحریک ترک موالات“ اور ”تحریک ہندو مسلم اتحاد“ جس کا ذکر بعد میں آئے گا اور ماہنامہ ”السوادالا عظم“ مراد آباد، جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ میں ان تحریکوں کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مدیر ”السوادالا عظم“ نے تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے اور اظہار خیال کے بعض مندرجات یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

تحریک خلافت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت کے نام پر چلائی تحریک میں اہل سنت و جماعت کے مخالفین اگرچہ پیش پیش تھے، مگر اہل سنت و جماعت کے بعض علماء بھی اس کے ہم نوا بن گئے تھے، لیکن مخالفین کے مقابلے میں ان کی تعداد بہت ہی کم تھی، اس جذباتی دو رمیں اہل سنت و جماعت بالخصوص اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر یہ نام نہاد الزام لگایا گیا کہ وہ تحفظ خلافت اور حفاظت اماکن مقدسہ کے خلاف ہیں، حالانکہ حقیقت حال کچھ اور تھی۔ فی نفسہ مخالفت نہ تھی جیسا کہ حضرت فاضل بریلوی اپنے ایک فتاویٰ میں اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں، البتہ طریقہ کار میں مخالفت تھی۔ مخالفین کی طرف سے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے حضرت فاضل بریلوی کے خلیفہ تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ دین اسلامی کا حامی اور شریعت کا پاسدار تو سلطنت اسلامیہ اور اماکن مقدسہ کا مخالف سمجھا جائے؟ اور وہ دہابیہ جن کے نزدیک بقیہ دنیا مشرک ہے اور قبے بنانا ناجائز اور ڈھانا جائز، وہ اس کے حامی اور مددگار سمجھے جا رہے

ہیں، گرگ اور گلہ کی چوپانی، لاحول و لا قوۃ الا باللہ۔ (۱)

اس نصیحت و ہدایت کے بعد تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ (خلیفہ فاضل بریلوی) مسلمانوں سے یہ درد مندانہ اپیل کرتے ہیں کہ:

مسلمانو! ہوشیار! اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو، صراط مستقیم پر قائم رہو، جو علماء بلادِ اسلامیہ کے ہم عقائد و ہم خیال ہیں، ان کے دامنوں کو تھامو اور اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو، کسی آندھی کا جھونکا کسی طوفان کی لہر، تم کو جگہ سے نہ ہلا سکے، دوستوں کے لباس میں آنے والے دشمن، ہمدردی و محبت کے گیت گا کر دل بھانے والے خوں خوار، تم پر اپنا جادو نہ چلا سکیں، تم کو اپنے دام فریب میں لا کر تباہ نہ کر سکیں۔

یاد رکھو! سیاسی میدان میں جب کوئی تحریک چلتی ہے اور ہوا دینے والے اس کو ہوا دیتے ہیں تو عوام کی عقل و خرد زائل ہو جاتی ہے اور جذبات کی گرفت مضبوط ہو جاتی ہے، اس وقت خود سمجھ میں آتا تو بڑی بات ہے، سمجھانے سے بھی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے، یہی کیفیت تحریک خلافت میں پیش آئی تھی۔ ایک طرف بے تنقید و تفنگ جہاد کی تیاریاں اور دوسری طرف میلوں ٹھیلوں میں عیش کوشیاں، قول و عمل کے اس تضاد سے درد مندوں کو اس تحریک سے کچھ شبہ سا ہوا اور مستقبل نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ شبہ صحیح تھا۔

حضرت تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ خلافتی عوام کے قول و عمل کے تضاد پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:-

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

”کون کہتا ہے کہ جہاد فرض نہیں؟ لیکن اپنی طاقت کا دیکھنا بھی تو شرط ہے، ہم نے ہتھیار تو خواب میں بھی نہیں دیکھے، یہ بھی نہیں معلوم کہ بدوق کدھر سے چلائی جاتی ہے؟ اپنے اتحاد و اتفاق کا حال ہے کہ دو شخص تو ایک خیال پر جمع و متفق ہی نہیں۔“

جنگ کا تصور اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب قوم متحد و متفق ہو، اس کی معاشی حالت درست ہو، اس کو فن حرب میں مہارت حاصل ہو اور سامان حرب بھی مہیا ہو، اس کے بغیر جنگ کرنا موت کو دعوت دینا ہے۔ تحریک خلافت کے زمانے میں نہ یہ اسباب تھے اور نہ یہ حالات اور عوام الناس بلکہ خواص بھی کچھ موقع پرست سیاست دانوں کی چال میں آچکے تھے۔ اس تضاد کو دیکھ کر صدر الافاضل نے بھی اُن مخالفین سے دریافت کیا تھا کہ کیا ان کے قلوب میں سلطنت اسلامیہ کا درد ہے؟ یہ بے چین و مضطرب ہیں؟

ایک طرف عوام الناس سے جہاد کی باتیں کر رہے تھے اور دوسری طرف رقص و سرود اور کھیل تماشوں کی محفلیں بھی بجی و جی تھیں۔

مولانا احمد رضا پر الزمات:

جب علماء اہل سنت خصوصاً فاضل بریلوی، صدر الافاضل، مولانا نعیم الدین مراد آبادی اور تاج العلماء نے ان مخفی عزائم سے مسلمانوں کو باخبر کیا تو ان کے خلاف ایک ہمہ گیر تحریک چلائی گئی اور یہ مشہور کر دیا گیا کہ علماء کا یہ گروہ انگریزوں کا تنخواہ دار ہے۔ (۱)

مولانا مفتی محمد عمر نعیمی کے جوابات:

اس بے بنیاد الزام کی تردید کرتے ہوئے تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ

(۱) تحقیق یہ الزام مولانا حافظ اللہ سیوہاروی نے علامہ شبیر احمد عثمانی پر لگایا تھا اور علامہ موصوف نے

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

”الساد الا عظم“ ۱۳۳۹ھ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”وہ کوئی بات ہے جس کی وجہ سے علماء اسلام گورنمنٹ کے تنخواہ دار سمجھے گئے؟“

کیا شعائر اسلام کے مٹنے سے راضی نہ ہونا، مسلمانوں کو مرasm شرک میں مبتلا

ہونے سے روکنا یہ خاص گورنمنٹ کا کام ہے؟ یا اس کے علاوہ گورنمنٹ کو

کوئی امداد پہنچا رہے ہیں؟“

مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ خود غرض خوب جانتے ہیں کہ علماء کجروی اور بے راہ روی کی کبھی حمایت نہیں کر سکتے، اس لیے وہ اپنے اغراض کو پورا کرنے کے لیے عوام کو علماء کی طرف سے بدظن کرنا ضروری تصور کرتے ہیں۔

جب علماء کی آواز عوام تک نہ پہنچے گا اور ان کو گورنمنٹی آدمی سمجھ کر کوئی ان کی بات کان لگا کر نہ سنے تو پھر گاندھی اور لیڈروں کا جادو چل جانا کیا مشکل ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنے شعائر مذہب سے بیگانہ اور ہندوؤں میں جذب ہوتے چلے جائیں، جیسا کہ ان کا خیال ہے۔

اخبار الفقہ (امر تر) کے شمارہ ۵ مئی ۱۹۳۱ء کے حوالے سے ایک خبر شائع ہوئی تھی جس میں ایک نو مسلمہ کو مرتد بنانے کی ہندو و انہ کوششوں کی اور اس کے خلاف علماء

بقیہ حاشیہ صفحہ 73: مولانا اشرف علی تھانوی کے لیے بھی یہی بات کہی تھی۔ ملاحظہ ہو (مکالمۃ الصدرین ص ۸) اسی طرح کے الزامات مولانا حسن نانوتوی پر لگائے گئے تھے کہ انہوں نے ۲۴ مئی ۱۸۵۷ء کو بریلی میں انگریزوں کی حمایت میں تقریر فرمائی تھی جس پر بریلی کے عوام نے سخت غم و غصے کا اظہار کیا تھا اور انہیں عوام کے خوف سے بریلی سے بھاگنا پڑا تھا، ملاحظہ ہو (سوانح حسن نانوتوی ص ۵۰) اس زمانے میں مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا ضامن علی کے لیے یہی کچھ لکھا جا رہا تھا۔ ان لوگوں نے بھی مجاہدین آزادی سے انگریزوں کی حمایت میں جنگ کی تھی۔

(ملاحظہ ہو تذکرۃ الرشید ص ۲۷، از مولانا عاشق الہی میرٹھی)۔ (نوری غفرلہ)

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

اہلسنت کی مزاحمت وغیرہ کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس خبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (خلیفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی) تحریر فرماتے ہیں:

”کیا ایسے واقعات عبرت پذیری کے لیے کافی نہیں ہیں؟ کیا اس طوفان مذہب دشمن کو دفنا کرنا خاص گورنمنٹ کا مقصد اصلی ہے، جس کی وجہ سے علماء اسلام اور پیشوایان دین کو گورنمنٹ آدمی بتایا جاتا ہے؟“

دشمن کے ان تمام سیاسی حربوں کا ذکر کرنے کے بعد تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ ان الفاظ میں مسلمانان ہند کو خبردار کرتے ہیں۔

”مسلمانو ہوشیار! دولت اسلام کی نگہبانی کرو، اپنے دین و ملت کو بچاؤ، اپنی ہستی اپنے ہاتھوں فنانہ کرو۔ یارب، مسلمانوں پر کرم فرما، اے تاج دار عربی (ﷺ)، امت کی بے کسی پر نظر فرمائیے! اللہ کرے کہ ہمارے لیڈران درد آشنائے مذہب ہوں اور شریعت طاہرہ کے حریم و حدود کی عزت و توقیر اور صیانت و حفاظت اپنی سعادت سمجھیں۔“

الزام تراشی کا یہ سیلاب حضرت بریلوی کی طرف بھی متوجہ ہوا اور ان پر کوئی ایک نہیں کئی الزامات لگائے گئے اور پوری فرد جرم تیار کی گئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

- ۱۔ آپ حمایت سلطنت اسلامیہ کے خلاف ہیں۔
- ۲۔ حفاظت اماکن مقدسہ ضروری نہیں بتاتے۔
- ۳۔ نینی تال میں لیفٹیننٹ گورنر سے ملاقات کی۔
- ۴۔ گورنمنٹ کی خوشی کے لیے اس کی حسب منشا فتویٰ دیا۔
- ۵۔ گورنمنٹ سے تنخواہ پاتے ہیں۔

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

۶۔ کانپور میں ”حقی سنی علماء“ صوبہ متحدہ کے جلسہ میں بااصرار انہیں بلایا گیا، مگر شرکت سے انکار کر دیا۔

اسی زمانے میں مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے ان مذکورہ الزامات کے جوابات اپنے مرشد و استاذ حضرت فاضل بریلوی سے طلب کئے تھے اور حضرت فاضل بریلوی نے ان الزامات کے مندرجہ ذیل سلسلہ وار جوابات دیئے۔

جواب الزام نمبر ۱:

سلطنت اسلامیہ اگرچہ بدعمل و بد مذہب ہو، بشرطیہ اس کی بد مذہبی حد کفر تک نہ پہنچی ہو، جب کفار سے اس کی جنگ ہوگی، مسلمان پر اس کی حسب استطاعت مدد فرض ہے، استطاعت سے زیادہ نہیں۔

جواب الزام نمبر ۲:

اسی طرح اماکن مقدسہ اور جملہ شعائر اسلام کی حفاظت علیٰ حسب الوسعت فرض ہے۔

جواب الزام نمبر ۳، ۴، ۵:

ان کا جواب میرے پاس ان سے بہتر کیا ہے؟ لعنت اللہ علی الکاذبین یعنی جس نے ایسا کیا ہو، اس پر قیامت تک اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اس کے نیک بندوں کی لعنت ہو۔

جواب الزام نمبر ۶:

مولوی نثار احمد صاحب کانپوری جمعیتہ العلماء صوبہ متحدہ کی دعوت لے کر آئے تھے، میں نے اس کے مقاصد، ہندوؤں سے اتحاد اور دیوبندیوں و ہابیوں کی شرکت و رکنیت وغیرہ بیان کئے تو انہوں نے جواباً کہا کہ ”ہم خالص اہل سنت کا جلسہ کریں گے“ میں نے کہا

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

کیجئے۔ ”میں خالص اہل سنت کے ایک خدمت گار کی حیثیت سے اپنی تحریر بھیج دوں گا جو جلسہ میں پڑھی جائے کہ بوجہ ضعف و علالت حاضری معذور ہوں۔“ (۱)

اس میں شک نہیں کہ تحریک خلافت اور اس کے مقاصد سے فی نفسہ حضرت فاضل بریلوی کو قطعاً کوئی اختلاف نہ تھا، مگر اس کے طریقہ کار سے سخت اختلاف تھا۔ مخالفین کی طرف سے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

”کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ دین اسلام کا حامی اور شریعت کا پاسدار تو سلطنت اسلامیہ کا حامی اور اماکن مقدسہ کا مخالف سمجھا جائے اور وہ وہابیہ جن کے نزدیک بقیہ دنیا مشرک ہے اور قبے بنانا جائز اور ڈھانا جائز، وہ اس کے حامی و مددگار سمجھے جا رہے ہیں۔ گرگ (بھیڑیا) اور گلہ کو چوپانی، لاحول و لا قوۃ اللہ باللہ۔“ (۲)

سیاست جدیدہ میں مقصد پر نظر رہتی ہے ذرائع پر نہیں، مگر سیاست شرعیہ میں مقاصد اور ذرائع دونوں کا محاسبہ کیا جاتا ہے، اس لیے مؤخر الذکر سیاست، اول الذکر سیاست سے زیادہ نازک ہے۔ چنانچہ فاضل بریلوی نے تحریک خلافت کے ذرائع پر سخت تنقید کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اعتراضات وارد کیے، اگر امور خانہ، دیانت دارانہ اور حمیت اسلامی کے ساتھ ان اعتراضات کا جائزہ لیا جائے تو نہایت وقیع معلوم ہوتے ہیں اور اس کے مقابلے میں مخالفین کی الزام تراشیاں بے وقعت معلوم ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر مخالفین نے

(۱) تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، ص ۲۰۵، مولفہ ڈاکٹر مسعود احمد

(۲) السواد الاعظم، جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ، ص ۲۳-۲۴

- مندرجہ ذیل شرعی امور کے صریحاً خلاف ورزیاں کی ہیں۔
- ۱۔ مشرکین سے وداد و اتحاد منایا گیا۔
- ۲۔ انہیں معاہد اور حلیف بنایا گیا۔
- ۳۔ انہیں رازدار اور دخیل کا ٹھہرایا گیا۔
- ۴۔ انہیں اپنا بار و مددگار اور خیر خواہ نمکسار جانا گیا۔
- ۵۔ انہیں پیشوا مانا گیا۔ (۱)
- ۶۔ قرآن و حدیث کی تمام عمر، بت پرست یا بت پرستی پر نثر کی۔
- ۷۔ ان کی بڑی تعظیمیں ہوتی ہیں۔
- ۸۔ ان کی مدح میں سخت غلو و اغراق کے گیت گائے گئے۔
- ۹۔ انہیں مسجد میں واعظ مسلمین بنایا جاتا ہے۔
- ۱۰۔ ان کی خوشی کے لیے شعائر اسلام مٹایا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ (۱)

(۱) مولانا عبدالباری فرنگی مہلی نے مسٹر گاندھی کی قیادت پر فخر کیا اور جب اس حرکت پر تنبیہ کی گئی تو جواباً تحریر فرمایا کہ ”عمرے کہ آیات و احادیث گذشت رفتے و نثار بت پرست کر دی۔ مولوی محمد بقیہ، حاشیہ صفحہ 62: علی جوہر نے کانگریس کے اجلاس میں پنڈت من موہن مالویہ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور مولوی شوکت علی نے اس کو پکھا جھلنا شروع کر دیا۔ (اخبار ہمد، ۴ جنوری ۱۹۲۸ء) جبکہ کانگریسی مولوی ظفر الملک مولوی اسحاق علی نے گاندھی کیلئے یہ تک کہا (معاذ اللہ) اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔“

(ماہنامہ السواد الاعظم، شعبان ۱۳۳۹ھ، ص ۴، دبدبہ سکندری راپور، یکم نومبر ۱۹۹۲ء)

(۱) دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں مسلم لیگ کے بارہویں اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے حکیم اجمل خان مرحوم نے مسلمانوں کو ہدایت کی تھی کہ وہ ہندوؤں کی خوشنودی کیلئے گائے قربانی ترک کر دیں۔ (ملاحظہ ہو، السواد الاعظم ۱۳۳۸ھ، اس مسئلے پر مسلمانوں کی طرف سے عموماً اور علمائے اہلسنت کی طرف سے خصوصاً بڑا احتجاج ہوا تھا۔

۱۱۔ ایسا مذہب بنانے کی فکر کی جاتی ہے جو ہندو مسلم کا امتیاز اٹھا دے، سنگم و پریاگ کو مقدس علامت بنا دے۔

مسلمانوں کی طرف سے اس نا عاقبت اندیشی کی وجہ سے ہندوؤں کو یہ جرأت ہوئی کہ انہوں نے ترک گاؤں کی اور ترک گوشت خوری کا مطالبہ کیا بلکہ بعض مقامات پر حکماً گائے کی قربانی بند کر دی گئی۔ چنانچہ ۱۵ جنوری ۱۹۲۰ء کے اخبار ہمد (دہلی) میں ایک اشتہار شائع ہوا تھا، جس میں: ”آہنسا پر چارنی سبھا کاشی“ کی طرف سے ایک ایسا مسلمان لیکچرار مانگا گیا ہے جو جاہل اور کم علم مسلمانوں میں جا کر میلاد خوانی کرے اور اس کے بعد ترک گوشت خوری کا درس دے۔ ۱۴ جون ۱۹۲۰ء کے اخبار ہمد میں علامہ غلام بھیک نیرنگ (خلیفہ سیدنا اشرفی میاں علیہ الرحمہ) نے انبالہ سے یہ خبر دی کہ ریاست ”نالہ گڑھ“ میں تاریخ میں پہلی مرتبہ گاؤں کی حکماً بند کر دی گئی ہے۔

۱۲۔ مسلمان اپنے ماتھوں پر قشقہ لگواتے ہیں۔ (۱)

۱۳۔ ہندوؤں اور گاؤں کی بے پکارتے ہیں۔ (۲)

۱۴۔ قربانی کی گائے پھولوں کی ہار پہنا کر باجے گائے کے ساتھ گوشالہ تک پہنچائی جاتی ہے۔

۱۵۔ مشرکین کی لاش کو کندھا دیتے اور مرگھٹ لے جاتے ہیں۔ (۳)

(۱) ۲۲ جنوری ۱۹۲۰ء کو میرٹھ میں مشرک گاندھی کی آمد کے موقع پر مسلمانوں کی پیشانی پر چندن لگایا گیا۔

قشقہ لگانے کا حال مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی ”افاضات الیومیہ، جلد ۶ ص ۲۵۵ میں تحریر کیا ہے۔ (نوری)

(۲) ”افاضات الیومیہ، جلد ۶ ص ۲۵۵

(۳) ماہنامہ السواد الاعظم، جمادی الاول ۱۳۳۹ھ، ص ۳۲، مراد آباد

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حقائق صحیح ہیں تو بحیثیت ایک غیرت مند عالم اسلام کے فاضل بریلوی نے ایسی تحریک سے خود کو علیحدہ رکھا تو کوئی گناہ نہیں کیا بلکہ مندرجہ بالا فہرست میں بعض تلخ حقائق تو ایسے ہیں کہ اس زمانے کا گیا گزرا مسلمان بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ ان حقائق کو نظر انداز کر کے صرف یہ مشہور کر دیا گیا کہ فاضل بریلوی تحریک خلافت کے مخالف تھے یہی نہیں بلکہ انگریزوں کے ایجنٹ تھے سخت بددیانتی اور تاریخی خیانت ہے اور ایسے خائن مورخوں کو محاسبہ کیا جانا چاہیئے۔^(۱)

اسی طرح فاضل بریلوی کو ایک اور الزام دے کر بدنام کیا گیا ہے اور وہ الزام یہ ہے کہ آپ ہر کسی کو کافر کہہ دیا کرتے تھے۔

اس الزام کے جواب میں حضرت تاج العلماء بیان کرتے ہیں کہ فتویٰ تکفیر پر ہی کیا موقوف ہے؟ فتاویٰ رضویہ کی بارہ ضخیم مجلدات میں ایک ہی موضوع پر ہزاروں فتاوے ہیں، اگر طلاق ہی کے لیے جائیں تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ بس آپ طلاق ہی پر فتوے دیتے تھے؟ ایک حکیم کا رجسٹر اٹھایا جائے اس میں ایک ہی مرض اور مریض کے ہزاروں نسخے ملیں گے تو ان نسخوں کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس کو دیکھو یہ حکیم بخار بتا دیا۔ حضرت تاج العلماء آگے چل کر بڑی دل لگتی بات فرماتے ہیں:

دیکھنا یہ ہے کہ جن لوگوں پر کفر کے فتوے دیئے گئے ہیں آیا ان میں کوئی بھی ایک ایسا ہے کہ اس سے کفر کی کوئی بات سرزد نہ ہوئی ہو؟ اور اس کو کافر کہہ دیا گیا ہو؟ مگر ایسا نہیں ہے تو ان لوگوں کو کفر کرنے سے منع کرنا چاہئے نہ کہ مفتی کو کافر کہنے سے۔

طیب کے پاس بخار والا آئے تو وہ ضرور اس کی تپ کو تشخیص کرے گا اور بخار کا نسخہ

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

لکھے گا، نہایت بے عقلی ہوگی کہ اگر آپ مریض کو دوا اور پرہیز پر آمادہ نہ کریں، لیکن طبیب کو بخار تجویز کرنے سے روکیں اور اس پر یہ الزام لگائیں کہ آپ نے اپنی عمر میں ہزاروں آدمیوں کو بخار بتایا ہے، یہ آپ کی عادت ہی ہوگئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کافر بنایا نہیں جاتا بلکہ انسان اپنے قول و عمل سے خود کافر بن جاتا ہے۔ مفتی صرف اس کی نشاندہی کرتا ہے۔ اب اگر اس کا قول و عمل صحیح ہے تو مفتی کے کہہ دینے سے وہ کافر نہیں ہو جاتا۔ اس لیے تشویش و فکر نہیں ہونا چاہئے۔ تحریک خلافت کے زمانے میں مخالفت کے سیلاب نے نہ صرف فاضل بریلوی بلکہ ان کے صاحب زادگان اور خلفاء کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ چنانچہ بریلی کی عید گاہ میں حسب معمول فاضل بریلوی کے بڑے صاحب زادے حضرت حجت الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی صاحب نماز عید پڑھایا کرتے تھے لیکن تحریک کے دوران یکم شوال ۱۳۳۹ھ کو عید آئی تو مخالفین نے پوری کوشش کی کہ آپ عید کی نماز نہ پڑھا سکیں لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ بقول حضرت تاج العلماء اس مرتبہ پہلے سے زیادہ رونق رہی اور سارا انتظام، جماعت رضائے مصطفیٰ نے کیا۔ (۱)

نوٹ: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین فاضل بریلوی اور ان کے صاحبزادگان اور ان کے زیر اثر علمائے اہل سنت کے پیچھے پڑے رہے۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء میں الہ آباد سے ایک کتاب ”افسانہ عبرت“ شائع ہوئی تھی، جس میں علمائے اہل سنت کو خوب سخت و سست کہا گیا۔ (السواد الاعظم جمادی الاول ۱۳۳۸ھ، ص ۳۱) ۲۴ دسمبر ۱۹۲۷ء کے اخبار ”الانصار“ (دیوبند) نے علماء اہل سنت کی دل کھول کر تضحیک و تذلیل کی۔ حضرت فاضل بریلوی کے

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیق و تاریخی جائزہ ★★★

انتقال کے بعد یہ سلسلہ شدید تر ہو گیا۔ چنانچہ اسی انتقامی جذبہ کے تحت مولوی محمد منظور نعمانی سنبھلی، اپنا رسالہ ”الفرقان“ بریلی لے گئے اور وہاں ۲۰ محرم ۱۳۵۴ھ سے ۲۲ محرم ۱۳۵۴ھ تک جامعہ رضویہ مظہر اسلام (واقع بی بی مسجد بریلی) کے استاد مولانا سردار احمد صاحب سے مناظرہ کیا جس کی روداد ”قلعہ رضا خانیت پر فیصلہ کن حملہ“ کے عنوان سے جامعہ برقی پریس دہلی سے ۱۳۵۴ھ میں شائع ہوئی۔ اس روداد کے صفحہ نمبر ۷۰ پر مناظرہ کے دوران مولوی محمد منظور نعمانی سنبھلی کا یہ جملہ بھی ملتا ہے:

”میں نے ان کے فرزند اکبر اور آپ کے آقائے نعمت (مولوی حامد رضا خان) کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔“

مخالفین کی اس ناشائستہ حرکت کا حضرت تاج العلماء نے نہایت شائستہ اور معقول جواب دیا۔ آپ نے فرمایا:

مسلمانوں کی تباہی کا یہی باعث ہے کہ ان کی زبان و قلم کی قوتیں اپنے ہی بزرگوں اور پیشواؤں کی ایذا رسانی میں صرف ہوئی ہیں، نامعلوم مضمون نگار نے کونسا بخار نکالا ہے! زمانہ کی نزاکت اور مسلمانوں کی حالت کیا اس قابل ہیں کہ ان میں اس طرح تفرقہ اندازی کی جائے۔ یہ کس قدر بد عقلی ہے کہ ہم بجائے اتحاد و اتفاق کے عداوت و حسد میں گرفتار ہیں، ہندو اتحاد کی فکر کریں اور اپنے پیشوایان دین سے یہ سلوک۔ (۱)

ان حالات و واقعات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تحریک خلافت کے زمانے میں فاضل بریلوی اور ان کے صاحبزادگان و خلفاء نے مخالفت کے سیلاب سے کس بلند ہمتی سے مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو اس راہ پر چلایا جو پاکستان کی منزل تک پہنچتی تھی۔ چنانچہ ۲۲، ۲۳، ۲۴

(۱) ماہنامہ السواد الاعظم، رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ، ص ۱۰

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

شعبان ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء کو اہل سنت و جماعت کی ”تنظیم الانصار الاسلام“ کی طرف سے بریلی میں شاندار اجلاس ہوئے، جس میں اماکن مقدسہ کی حفاظت اور ترکوں کی مدد موضوع رہا اور ان حضرات نے خطاب فرمایا:

- ۱۔ مولانا سید شاہ محمد میاں قادری برکاتی (مارہہ مطہرہ)
 - ۲۔ مولانا محمد ظفر الدین قادری بہاری (خلیفہ فاضل بریلوی، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ بہار)
 - ۳۔ مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (خلیفہ فاضل بریلوی، جامعہ نعیمیہ مراد آباد)
 - ۴۔ پروفیسر سید سلمان اشرف بہاری (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)
 - ۵۔ مولانا سید دیدار علی شاہ (دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور)
- ان حضرات نے ترکوں کی مدد، اماکن مقدسہ کی حفاظت اور ترک موالات کے موضوع پر مدلل تقریریں فرمائیں۔

اس جلسے میں جو قرارداد منظور کی گئی، اس کی تفصیل یہ ہے۔

- ۱۔ علماء اہل سنت اور مسلمانانِ بریلی کا یہ عظیم الشان جلسہ گورنمنٹ برطانیہ سے پُر زور مطالبہ کرتا ہے کہ اپنا اور تمام اتحادیوں کا اثر جزیرہ عرب سے اٹھا کر مسلمانوں کو مذہبی دست اندازی کی تکلیف سے باز رکھے۔
- ۲۔ یہ جلسہ گورنمنٹ برطانیہ سے زبردست مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ”مظلومین سمرنا“ وغیرہ کی مالی اعانت و ارسال زر کے قابل اطمینان ذرائع بہم پہنچائے۔
- ۳۔ یہ جلسہ ترک و عرب میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے ایک وفد بھیجے اور یہ تجویز کرتا ہے اور گورنمنٹ سے پُر زور مطالبہ کرتا ہے کہ عرب میں ہمارے وفود کی بحفاظت پہنچانے کی ذمہ داری نبھائے۔
- ۴۔ یہ جلسہ مسلمانوں سے درخواست کرتا ہے کہ اپنے تمام مقدمات جن کو آپس میں طے

کرنے کے مجاز ہیں مطابق شرعی فیصل کر لیں اور انگریز کچہریوں کی مقدمہ بازیاں جو فریقین کیلئے تباہ کن ہوتی ہیں، اس سے بچیں۔

۵۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ گورنمنٹ ایسا قانون بنائے کہ جس سے کسی اسلامی ملک کو مضرت نہ پہنچے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

۶۔ یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو خاص اپنی تجارت بڑھانے کی ترغیب دیتا ہے اور اس ذرائع کی توسیع اور احتیالامکان ان صورتوں کے بہم پہنچانے پر توجہ دلاتا ہے، جن سے مسلمان کبھی کسی غیر مسلم تجارت کے محتاج نہ رہیں۔

۷۔ یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اسلامی بینک کھولنے پر توجہ دلاتا ہے، تاکہ مسلمان، غیر مسلمانوں کے دست برد ہونے سے بچیں۔ (۱)

۸۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ تجار اور رؤسا سے ایک اسلامی خزانہ قائم کرنے کی تحریک کی جائے جس میں ماہ بہ ماہ سال بہ سال کچھ رقم جمع ہوتی رہے کہ وقتاً فوقتاً مسلمانوں کی تجارت کی توسیع کی ضرورتوں اور نیز اعانت سلطنت اسلام و ضروریات اسلام میں کام آئے۔

۹۔ یہ جلسہ مسلمانوں کو علم دین و مذہب اہل سنت و جماعت کے مطابق عقائد علماء حرمین شریفین کی اشاعت پر نہایت تاکید سے توجہ دلاتا ہے۔

۱۰۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ جو غلط طریقہ، ناجائز راستے، مضرت و تیرے، بغلط لباس شرعی پہنائے گئے ہیں ان کی شاعت پر مسلمانوں کو تحریراً و تقریراً مطلع کرے۔ (۲)

مذکورہ بالا تقریراً تمام ہی تجاویز، ان ہدایت پر مشتمل ہیں جو ۱۹۱۲ء میں مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی نے ارشاد فرمائی تھیں، اگر تاریخی سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے دیکھا جائے

(۱) ماہنامہ السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۹ھ، ص ۱۵-۱۶

(۱) ماہنامہ السواد الاعظم، رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ، ص ۳۲

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

تو تجاویز نہایت ہی وسیع ہیں۔ اسلامی بینک قائم کرنے کی تجاویز جو پون صدی پہلے علمائے اہل سنت نے پیش کی تھیں عالم اسلام آج اس پر عمل پیرا ہے ان تجاویز میں عقل ہوش بھی ہے اور درد و سوز بھی، سمجھنے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ تجویز تشخیص کے تابع ہوتی ہے پہلے مرض تشخیص کیا جاتا ہے پھر علاج کیا جاتا ہے۔ بغیر تشخیص کے علاج مہلک ثابت ہوتا ہے۔ ترکوں کی مدد سے پہلے یہ جاننا بھی ضروری تھا کہ یہ انحطاط کن اسباب کی بناء پر آیا اور کیا یہ حادثاتی و اتفاقی ہے یا ارتقائی؟۔ ان اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے تاج العلماء نے انحطاط و زوال کے مندرجہ ذیل اسباب بیان کیا ہے:

۱۔ ترکی میں مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگیاں۔

۲۔ ترکوں کے بدخواہ ان کے اپنے حلقے میں پیدا ہو گئے، جنہوں نے دشمنوں کی موافقت کی۔

۳۔ طوائف الملوکی، ہر شخص نے الگ راستہ اختیار کیا۔

ان امراض کا تاج العلماء نے یہ علاج پیش کیا۔

۱۔ اسلامی اتحاد کا جوش پیدا کر کے انہیں سلطنت اسلامیہ کی حمایت میں کھڑا کرنا۔

۲۔ ملت فروشی کو عام نگاہوں میں ذلیل بنا کر اس زہریلی وبا کے اثر سے وہاں کے باشندوں کو محفوظ رکھنا۔

۳۔ مسلمانان عالم کے جذبات کی ترجمانی کر کے ان میں نئی سرگرمی پیدا کرنا۔

تشخیص اور تجویز کے بعد حضرت تاج العلماء نے تحریک خلافت کے پیروکاروں سے یہ سوالات کیے:

۱۔ کیا اس مقصد کے لیے مسلمانوں کا کوئی وفد قسطنطنیہ پہنچا؟

۲۔ کیا عربوں کو ترکوں کے ساتھ موافق کرنے کے لیے کوئی جماعت گئی؟

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

۳۔ کیا عربوں کی باہمی کشمکش اور جنگجوئی کو روکنے کے لیے کوئی تدبیر عمل میں لائی گئی؟
۴۔ ”اگر دو مسلمان آپس میں لڑیں تو تیسرا اُن میں صلح کرادے“۔ کبھی ان کے لیے کوئی کوشش کی گئی؟

آخر میں تحریک خلافت کے رہنماؤں کو ہوشمندی اور دانشمندی و عاقبت اندیشی سے کام لینے کی درخواست کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ہمیں اس وقت یہ غور کرنا ہے کہ ہمارے ان افعال سے ترکوں کو کیا نفع پہنچ سکتا ہے؟۔ امید ہے کہ اہل الرائے اپنے دماغوں کو عقل زائل کرنے والے جوش سے خالی کر کے اس پر غور فرمائیں گے۔ (۱)

تحریک ترکِ موالات اور ہندو مسلم اتحاد

مسٹر گاندھی کی سیاسی چال:

تحریکِ خلافت کے ساتھ ساتھ ۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی نے ایک اور تحریک بنام ”تحریکِ ترکِ موالات“ کا بھی آغاز کر دیا تھا۔ چونکہ انہوں نے نہایت دانش مندی سے تحریکِ خلافت میں مسلمانوں کی حمایت کی اور اس طرح مسلمانوں خصوصاً مسلم لیڈروں اور علماء کا اعتماد حاصل کر لیا۔ اس لیے ”تحریکِ ترکِ موالات“ میں ان کی مدد حاصل کرنا ان کو مشکل امر نہیں رہا تھا۔ چنانچہ ”تحریکِ ترکِ موالات“ میں مسٹر گاندھی کی اپیل پر ہندوستان کے مسلمان ذوق و شوق سے جوق در جوق شامل ہونے لگے اور مسٹر گاندھی کو اپنا حامی و ناصر سمجھنے لگے تھے۔

(۱) السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸، ص ۲۶، مزید تفصیل کیلئے ”تحریکِ آزادی ہند اور السواد الاعظم“ مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مطالعہ کریں۔ (نوری غفرلہ)

بلاشبہ تحریک خلافت ایک جذباتی تحریک تھی اور جذباتی تحریکوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا ایک دانا و بینا سیاست داں کا کام ہوتا ہے، وہ آن کی آن میں ایسی تحریکوں کے سہارے اپنے مقاصد پورے کر لیتا ہے اور کسی کو خبر تک ہی ہوتی۔ تحریک ترک موالات میں بھی یہی کچھ ہوا۔ اس سلسلے میں حالات حاضرہ کے عنوان سے صدر الافاضل حضرت علامہ المفتی الحدیث سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے ماہنامہ ”السواد الاعظم“ شوال المکرم ۱۳۳۸ھ میں جو کچھ لکھا، وہ تاریخی و سیاسی حیثیت سے نہایت ہی اہم موضوع تھا، آپ نے فرمایا:

”ہندو ناداں نہیں، ان کی کوئی حرکت عبث و بیکار نہیں، وہ ہر کام کے لیے کوئی مقصد رکھتے ہیں، ان کا ہر عمل اسی مقصد کے محور پر گردش کرتا ہے، جب تم نے انہیں پیشوا بنایا تھا تو وہ اب اپنے مقصد کو ضرور مقدم رکھیں گے۔“

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

”میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ”ترک تعاون“ کا خیال مسٹر گاندھی کے دماغ میں مدت دراز سے مرکوز ہے۔ ان کے کارنامہ زندگی سے اس کے دلائل ملیں گے لیکن وہ اپنے اس مقصد میں اپنی خواہش کے موافق کامیابی سے محروم رہے تھے اور مناسب وقت کے انتظار میں تھے اور یہ وقت مسلمان لیڈروں نے فراہم کر دیا تھا۔

ایک طرف تو مسٹر گاندھی مسلمانوں سے یہ خطاب کرتے ہیں کہ ”تمہارے مطالبات بالکل بجا ہیں اور تم حق بجانب ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

دوسری طرف مسٹر گاندھی لب و لہجہ بدل کر یہ فرماتے ہیں کہ ”دیکھو خبردار! قانون کی حدود سے باہر قدم نہ رکھنا، امن عامہ میں خلل اندازی کرنے سے باز رہنا، ورنہ میں

تمہارے ساتھ نہیں۔“ جس سے وہ گورنمنٹ کو مسلمانوں کی شوریدہ سری، قانون شکنی اور امن عامہ میں فساد انگیزی کا ثبوت دینا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو امن عامہ اور قانون کا حامی ظاہر کرتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر مسعود احمد ”مسلمان فطرتاً جان باز اور وفادار ہے“۔ جذباتی تحریکوں میں اس (کے عوام) کا قانون کے دائرے میں رہنا بہت مشکل ہوتا ہے، اس لیے ہندوستان میں جب کبھی ایسی تحریکیں چلیں مسلمانوں نے زیادہ نقصان اٹھایا۔ ۱۹۴۶ء میں جب (Victory Week) منایا گیا تو راقم دہلی میں تھا۔ عجیب مناظر دیکھنے میں آئے۔ مسلمانوں نے انگریزوں کا ناطقہ بند کر دیا لیکن اس ہنگامہ میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ مارشل لاء لگ گیا اور دہلی تاریکی میں ڈوب گیا۔ (۱)

پھر ”تحریک ترک موالات“ سے مسلمانوں کو فوائد کے بجائے جو نقصانات متوقع تھے، اس کے پیش صدر الافاضل کو اس تحریک سے اختلاف تھا۔ بادی النظر میں یہ شک ظاہر کیا جاسکتا ہے کہ کہیں وہ انگریزوں کے ساتھ تو نہ تھے؟۔ لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس زمانے میں انگریزوں کی مخالفت آسان تھی حمایت مشکل تو یہ شک رفع ہو جاتا ہے، کیونکہ انسان خصوصاً موقع پرست مشکلات سے زیادہ آسانیوں کو پسند کرتا ہے، اس کے علاوہ ماضی میں کوئی ایسی تاریخی شہادت نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ صدر الافاضل یا اکابر اہل سنت نے انگریزوں سے کوئی امداد قبول کی ہو، اس کے برخلاف ان کے مخالفین کے بارے میں خود ان کی اپنی کتابوں سے اس کی شہادت مل جاتی ہے۔ پھر تقسیم ہند کے وقت ان آنکھوں نے خود دیکھا کہ انگریز ہندوؤں سے زیادہ ہمارا دشمن نکلا، اگر قائد اعظم یا ان کے ہموا، علمائے

(۱) ”تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم“، اگست ۱۹۸۷ء، ص ۲۲۱، مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

*** فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ***

اہل سنت انگریزوں کے خیر خواہ ہوتے تو انگریز بھی ان کا خیر خواہ ہوتا بدخواہی بتا رہی ہے کہ قائد اعظم اور علمائے اہل سنت کو انگریز اپنا خیر خواہ نہیں سمجھتا تھا۔

اب ”تحریک ترک موالات“ کے بارے میں صدر الافاضل کے تاثرات قلم بند کرتے ہیں، جو نہایت بصیرت افروز اور مومنانہ نظر آتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

”حکومت کا تعلق ہمارے ساتھ تمدن میں اس قدر نہیں جتنا سیاست میں ہے۔ تمدن کو فاسد کرنے کا بڑا اثر ہم پر پڑے گا۔ برابر والے سے بھی جنگ کرنے میں بھی پہلے اپنے آپ کو تکلیف برداشت کرنا پڑتی ہے۔ سامان حرب مہیا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی تلاش اور حملہ کے موقع کی جستجو میں سرگردانی ہوتی ہے، تب کہیں جا کر اس کو تکلیف پہنچ سکتی ہے، اس پر بھی اپنا غلبہ یقینی نہیں، جب زبردست سے مقابلہ ہو تو اپنے آپ کو کس قدر تکلیف برداشت کرنا پڑے گی اور اس کو برداشت کرنا ہم پر اتنا ہی دشوار ہوگا جتنا ہم میں ضعف ہے اور ہمارے حملے کا تحمل اور قوت برداشت مقابل بقدر اپنی طاقت کے ہوگا، ہمیں تو پہلے حملے کی تیاری ہی فنا کے دروازے تک پہنچا دے گی۔ (۱)

صدر الافاضل نے ترک موالات کے موضوع پر ایک فاضلانہ اور مخلصانہ مقالہ لکھا تھا جو ”السواد الاعظم“ کے شمارے ربیع الاول ۱۳۳۹ھ اور جمادی الاول ۱۳۳۹ھ کے ۱۴ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ نہایت اہم اور مفید رسالہ ہے اور اس سے ان کے موقف کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے الفاظ میں رسالے کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ مذہبی حیثیت سے کفار کے ساتھ محبت و داد و ربط و اتحاد دوستی و یک دلی تو مومن سے ممکن ہی نہیں، اگر ایسا ہے تو وہ مومن نہیں۔

- ۲۔ دوسری حیثیت شخصی و ذاتی ہے، یہ محبت بھی اتنی ہو کہ شعائر کفر کی نفرت دل سے کم ہو جائے اور شعائر اسلام کے ساتھ ان کے استہزاء پر راضی ہو تو یہ بھی منافی اسلام ہے۔
- ۳۔ اور اگر اس حد تک نہیں بڑھی جب بھی شان مومن کے خلاف و ممنوع ہے۔^(۱)
- ترکِ موالات سے متعلق ایک دوسرے مقالے میں صدر الافاضل یہ نکتہ بیان فرماتے ہیں:

مجازی اور معمولی محبتوں میں محبوب کے دشمنوں کے ساتھ قلب کو نفرت ہو جاتی ہے اور دوست کا ادنیٰ مخالف دشمن سے بدتر معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ قراہتوں کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ عشق الہی کی دولت سے مالا مال ہو کر کوئی دل کفار کے طرف مائل ہو سکے اور باوجود ایمان کے دل میں محبت کفار کی گنجائش رہے۔^(۲)

(۲) السواد الاعظم۔ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

(۳) ماہنامہ السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۳۳۹ھ، ص ۱

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

- ۲۔ دوسری حیثیت شخصی و ذاتی ہے، یہ محبت بھی اتنی ہو کہ شعائر کفر کی نفرت دل سے کم ہو جائے اور شعائر اسلام کے ساتھ ان کے استہزاء پر راضی ہو تو یہ بھی منافی اسلام ہے۔
- ۳۔ اور اگر اس حد تک نہیں بڑھی جب بھی شان مومن کے خلاف و ممنوع ہے۔^(۱)
- ترکِ موالات سے متعلق ایک دوسرے مقالے میں صدر الافاضل یہ نکتہ بیان فرماتے ہیں:

مجازی اور معمولی محبتوں میں محبوب کے دشمنوں کے ساتھ قلب کو نفرت ہو جاتی ہے اور دوست کا ادنیٰ مخالف دشمن سے بدتر معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ قرابتوں کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ عشق الہی کی دولت سے مالا مال ہو کر کوئی دل کفار کے طرف مائل ہو سکے اور باوجود ایمان کے دل میں محبت کفار کی گنجائش رہے۔^(۲)

(۲) السواد الاعظم۔ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

(۳) ماہنامہ السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۳۳۹ھ، ص ۱

باب دوم (ب)

تحریک ہندو مسلم اتحاد

*** فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ***

اب دوم (ب)

تحریک ہندو مسلم اتحاد

”تحریک ترک موالات“ کے نتیجے میں ہندو مسلم اتحاد کی تحریک، ترک موالات، کی تحریک سے زیادہ شدت سے شروع ہوئی۔ علماء برصغیر نے اس مسئلے کے موافقت و مخالفت میں بہت کچھ لکھا لیکن علماء اہلسنت نے بحیثیت مجموعی اس اتحاد سے اختلاف کیا۔ اس کی وجوہات مذہبی تھیں اور سیاسی بھی اور وہ اتحاد کو فی نفسہ ناممکن سمجھتے تھے۔ دلائل و شواہد ایسے تھے کہ اگر ایک خالی الذہن غیر مسلم بھی سنجیدگی سے اس کا مطالعہ کرتا تو اسی نتیجے پر پہنچتا، جس نتیجے پر علماء اہلسنت خصوصاً حضرت فاضل بریلوی اور ان کے خلیفہ صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین المراد آبادی پہنچے، یہ محض ایک قیاس ہی نہیں ایک حقیقت ہے۔

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک معروف کٹر ہندو سیاست داں ”لالہ لاجپت رائے“ (۱) کے تاثرات بھی بیان کر دیئے جائیں تاکہ بات واضح ہو جائے۔

لالہ لاجپت لکھتے ہیں۔

”ایک اور چیز جو ایک عرصہ سے میرے لیے وجہ اضطراب ہو رہی ہے وہ ہندو مسلم اتحاد ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اس پر دعوتِ غور

(۱) لالہ لاجپت رائے ۱۸۶۰ء میں ضلع لدھیانہ، بھارت و پنجاب میں پیدا ہوئے۔ پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے اور ضلع حصار کی کچہری میں وکالت کرتے ہوئے ۱۸۹۲ء میں لاہور ہائی کورٹ سے متعلق ہو گئے۔ ۱۹۴۵ء میں کانگریس کے ایک وفد میں شامل ہو کر برطانوی حکومت سے ملے تھے۔ (سوانح لالہ لاجپت، ص ۲۰)

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

و غرض دوں گزشتہ چھ ماہ میں، میں نے اپنے وقت کا بیشتر حصہ اسلامی تاریخ اور اسلامی قوانین کے مطالعہ میں صرف کیا ہے اور اس سے جس نتیجے پر پہنچا ہوں، وہ یہ ہے کہ یہ چیز یعنی ہندو مسلم اتحاد ایک امر محال اور ناقابل عمل شے ہے۔ وہ مسلمان رہنما، جو عدم تعاون کی تحریک میں شامل ہیں، اگر ان کے خلوص نیت کو تسلیم بھی کر لیا جائے، پھر بھی میرے خیال میں ان کا مذہب اس چیز (یعنی) ہندو مسلم اتحاد کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ ثابت ہوگا۔ (۱)

راقم کی رائے میں مسئلہ ”ہندو مسلم اتحاد“ پر جب برصغیر کے ہندو سیاست دانوں کا یہ انداز فکر تھا تو غور کیا جاسکتا ہے کہ صاحب بصیرت مسلم علماء کا انداز فکر کیا ہوگا؟۔ چنانچہ مسئلہ ”ہندو مسلم اتحاد“ پر جب صدر الافاضل استاذ العلماء المحمّد مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی نے جن تاثرات کا اظہار فرمایا، وہ بڑے بصیرت افروز اور حقیقت پسندانہ تھے۔ ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا، مسٹر گاندھی نے اس تحریک کی حمایت کی، ہندو مسلم اتحاد کا یہی نقطہ آغاز تھا، اس حمایت کی اس قدر پذیرائی کی گئی جس کا وہم و گماں بھی نہ تھا، خصوصاً بعض مسلم علماء کی طرف سے۔ چنانچہ حضرت صدر الافاضل مسلمان علماء کی اس پذیرائی پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مسلمانوں نے ان مسائل میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری سمجھا کہ ہندوؤں کو اپنے ساتھ شریک کریں اور اپنا ہم آواز بنائیں تاکہ ان کی صدائیں زور آئے اور سلطنت ان کی آواز کان لگا کر سنے۔ مذہب کا فتویٰ اس کو نامناسب اور ناجائز نہیں قرار دیتا اور اس قدر جدوجہد تو جواز ہی میں رہتی۔ لیکن صورت حال کچھ اور ہے۔

ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور مسلمان ”آمین“ کہنے والے کی طرح ان کی ہر صدا کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں۔ پہلے مہاتما گاندھی کا حکم ہوتا ہے، اس کے پیچھے مولوی عبدالباری کا فتویٰ ”مقلد“ کی طرح سر نیاز خم کرتا چلا جاتا ہے۔ پہلے تو ہندوؤں نے سود کے پھندوں میں مسلمانوں کی دولتیں اور جاگیریں لے لیں، اب وہ مفلس ہو گئے اور کچھ پاس نہ رہا تو مقاماتِ مقدسہ اور سلطنتِ اسلامیہ کی حمایت کی آڑ میں مذہب سے بھی بے دخل کرنا شروع کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ سلطنتِ اسلامیہ اور مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کے لیے مسلمان ہر ممکن تدبیر عمل میں لائیں، لیکن اپنے دین و مذہب کو محفوظ رکھیں، اپنے آپ کو ہندوؤں کے ہاتھوں میں نہ ڈالیں، اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں اپنی عقل و حواس کو معطل نہ کریں۔ اپنے ہوش و خرد کو کام میں لائیں۔ نہایت فرزاگی کے ساتھ اپنے نیک و بد، اپنے انجام و مال پر نظر ڈالیں۔^(۱)

میری رائے میں ایسی بے رائی کہ ہر بات میں گاندھی پر نظر ہے کچھ کام نہیں آ سکتی۔ فرض کرو کہ آج گاندھی تمہارے موافق ہیں اور تم ہر مشورے میں ان کی رائے کے محتاج ہو، کل اگر گاندھی کا رنگ بدل جائے تو تم کیا کرو گے؟ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تم میں کوئی ایک بھی مدبر نہیں، اگر ایسا ہے تو خاموش رہنا چاہئے۔^(۲)

علامہ اقبال نے اسی قسم کے خیالات سے متاثر ہو کر کہا تھا:

دین ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت

ہے ایسی تجارت میں مسلمانوں کا خسار

(۱) ماہنامہ السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸ھ، ص ۱۵-۱۶، مراد آباد

(۲) ماہنامہ السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸ھ، ص ۱۵-۱۶، مراد آباد

مسلمانوں کی اس بے راہ روی اور ناعاقبت اندیشی نے جو گل کھلائے، اس کا نقشہ حضرت صدرالافاضل ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”کہیں ہندوؤں کی خاطر سے قربانی اور گائے کے ذبیحہ سے ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں اور ان پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں۔ اسلامی شعائر مٹانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار (ٹریڈ مارک) نمایاں کیا جاتا ہے، کہیں بتوں پر پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے، معاذ اللہ! کروڑوں سلطنتیں ہوں تو دین پر فدا کی جائیں۔ مذہب کسی سلطنت کی طمع میں برباد نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلے میں (اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خلیفہ) مولانا سید سلمان اشرف بہاری (سربراہ شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی گڑھ) نے خوب فرمایا کہ ”لعنت اس سلطنت پر جو دین بچ کر حاصل کی جائے“۔ ترکی کی سلطنت کی بقا کے لیے مسلمان کفر کرنے لگیں، شعائر اسلام کو میٹ دیں۔ لاجول ولاقوۃ الا بالہ! اسلام ہی کے صدقے میں تو اس سلطنت کی حمایت کی جاتی ہے ورنہ ہم سے اور ترکوں سے کیا واسطہ؟ مطلب جو کوشش کی جائے اپنا دین محفوظ رکھ کر کی جائے۔ (۱)

مسلمانوں کی نادانی کمال کو پہنچ گئی، نصاریٰ کے ساتھ ہوئے تو اندھے ہو کر موافقت کی۔ بلاد اسلامیہ میں جا کر لڑے، مسلمانوں پر تلوار چلائیں، ان کے ملک ان سے چھین کر کفار کو دلائے۔ اب اس

خود کردہ کا علاج کرنے چلے اور مشتبہ بعد از جنگ یاد آیا تو ہندوؤں کی غلامی میں دین برباد کرنے پر تئل گئے۔ (۱)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ کا واضح موقف تھا کہ ہندوؤں سے استعانت و تعاون اس لئے مضر ہے کہ وہ مسلمانان ہند سے دین میں محارب تھے۔ چنانچہ آپ ایک جگہ صاف طور پر لکھتے ہیں کہ:

”وہ جو آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں تم سب ہندو پرستوں کا کارنامہ ظاہر و باطن ہے یعنی گاندھی صاف صاف نہ کہہ چکا کہ مسلمان اگر قربانی گاؤ نہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار کے زور سے چھڑا دیں گے۔ اب بھی کوئی شک رہا کہ تمام مشرکین، ہندو دین میں ہم سے محارب ہیں۔ (۲)

اس موقع پر مولانا احمد رضا خان بریلوی دشمن کی نفسیات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”دشمن اپنے دشمن کیلئے تین باتیں چاہتا ہے۔

اول) اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔

دوم) یہ نہ ہو تو اس کی جلا وطنی، کہ اپنے پاس نہ رہے۔

سوم) یہ بھی نہ ہو سکے تو آخری درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔ مخالفت کے یہ درجے ان پر طے کر دیئے اور ان کی آنکھیں

نہیں کھلتیں، خیر خواہ ہی سمجھ جاتے ہیں۔

مولانا احمد رضا بریلوی نے اپنے رسالے کے آخر میں مسلمانان ہند سے یہ

(۱) ماہنامہ السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۳۸ھ، ص ۱۶-۱۷، مراد آباد

(۲) الحجۃ المومنینہ بحوالہ ”اوراق گم کشہ“، ص ۲۵۰، مولفہ رئیس احمد جعفری، مطبوعہ لاہور ۱۹۲۸

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

درد بھری اپیل کی تھی۔

”تبدیل احکام الرحمن، اور اختراع احکام الشیطان سے ہاتھ اٹھاؤ،
مشرکین سے اتحاد توڑو، مرتدین کا ساتھ چھوڑو کہ محمد رسول اللہ ﷺ
کا دامن پاک تمہیں اپنے سائے میں لے، دنیا نہ ملے، نہ ملے،
دین تو ان کے صدقے میں ملے۔

يا ايها الذين آمنوا ادخلوا في السلم كافة ولا تتبعوا

خطوات الشيطان انه لكم عدو مبين ۝ (۱)

دراصل مولانا احمد رضا خان بریلوی کا فرد مشرک یہود و نصاریٰ، آتش پرست، ستارہ
پرست سب ہی کو مسلمانوں کا دشمن سمجھتے تھے۔ تاریخی واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی
ہے۔ چنانچہ ایک شعر میں وہ فرماتے ہیں:

کافر، ہر فرد و فرقہ، دشمن مارا

مرتد، مشرک، یہود، گبر و ترسا (۲)

یہی وجہ ہے انہوں نے تحریک خلافت اور تحریک موالات کے زمانے میں ہندو مسلم
اتحاد کی سختی سے مزاحمت کی، آپ گاندھی کی قیادت کو مسلمانان ہند کیلئے مہلک سمجھتے تھے۔ اس
مسئلے پر اپنے دوست مولانا عبدالباری فرنگی محلی (المتوفی ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۹۲۶ء) سے
سخت اختلاف کیا۔ اس پر بھی دونوں کے درمیان تفصیلی مراسلت ہوئی جو بعد
میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی کے چھوٹے صاحب زادے مولانا مفتی مصطفیٰ رضا
خان بریلوی نوری نے ۱۹۲۱ء / ۱۳۳۹ھ میں تین حصوں میں بعنوان ”الطاری الداری

(۱) الحجۃ المومنینہ بحوالہ ”ادراق گم گشت“، ص ۳۰۵، مولفہ رئیس احمد جعفری، مطبوعہ لاہور ۱۹۲۸

(۲) الطاری الداری، حصہ سوم ص ۹۹، امام احمد رضا خان فاضل بریلوی، مطبوعہ بریلی

لھفوات عبدالباری، شائع کردی۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی کو کسی طرح بھی یہ گوارا نہیں تھا کہ مسلمانان ہند کٹر ہندو لیڈر گاندھی کیلئے سواری کا کردار ادا کریں۔ اقبال نے کہا تھا:

ع ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

آپ نے بھی مسلمانان ہند کو اس غیرت کا درس دیتے ہوئے نصیحت کرتے ہیں:

ع مشرک نہ بخود سواری باید کرد (۱)

مسٹر گاندھی تحریک خلافت میں مسلمانوں کے خیر خواہ نظر آئے، مگر اندرون خانہ وہ مسلمانوں کی اس سیاسی بیداری سے صرف اپنا مدعا اور موقف حاصل کرنا چاہتے تھے یعنی ہندوستان میں ہندو راج کا قیام تھا۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی کی سیاسی بصیرت نے اس راز کو پالیا تھا۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلفاء میں مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اس موقف رضوی کو آگے بڑھایا۔ ۱۹۱۹ء میں آپ ایک جگہ حکیم اجمل خان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”دسمبر ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا بارہواں اجلاس حکیم اجمل خان کی

صدارت میں امرتسر میں منعقد ہوا، اس میں آپ نے مسلمانوں کو ہدایت کی

ہے کہ ”وہ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر گاؤ کشی بند کر دیں“۔ (۲)

آپ نے بڑی دل لگتی بات فرمائی۔

”شرکت وطنی ہے تو وطنی امور میں شرکت و اتحاد کیجئے، مذہب کو اس

میں دخل دینا یقیناً ناصواب و ناروا ہے“۔ (۳)

(۱) الطاری الداری، حصہ سوم ص ۲۹، امام احمد رضا خان فاضل بریلوی، مطبوعہ بریلی

(۲) ماہنامہ السواد الاعظم، جمادی الاول ۱۳۳۸ھ، ص ۱۷، ۲۲

(۳) ماہنامہ السواد الاعظم، جمادی الاول ۱۳۳۸ھ، ص ۱۷، ۲۲

*** فاضل بریلوی کا سیاسی کردار... تحقیقی و تاریخی جائزہ ***

مسلمانوں کی اس ڈھیل سے ہندو اس قدر جری ہو گئے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے واعظین مقرر کیے، مطالبے پیش کئے گئے اور کہیں گاؤں کشتی کو حکماً بند کرایا گیا۔ چنانچہ یکم مارچ ۱۹۳۰ء کو اخبار ہندم (دہلی) میں آہن پر چارنی سجا کاشی کی طرف سے یہ اشتہار شائع کیا گیا:

”ایک مسلمان مولوی صاحب لکچرار چاہتے ہو واسطے ”آہن پر چارنی سجا کاشی“ کے جو چھوٹی قوموں مثلاً کچھڑ، تھاب اور کٹڑے میں جا کر پہلے مولود شریف کریں بعد رحم و ترک گوشت خوردی پر لکچر شہر بشہر دیں۔ (۱) شاہان خان ”خان مان اللہ خان“ سیاحت یورپ کے دوران ہندوستان سے گزرے تو بمبئی میں جمعہ کی نماز کی امامت فرمائی اور خطبہ جمعہ میں یوں فرمایا:

”تہایت درجہ شرم کی بات ہے کہ ہندوستان کے مسلمان گائے کے

سوال پر ہندوؤں کے جذبات کی عزت و قدر نہیں کرتے۔“ (۲)

اس بیان کی پذیرائی کے لیے ہندو مہاسجا کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں مان اللہ خان کا شکریہ ادا کیا گیا اور ہندوستان کے مسلمانوں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ گاؤں کشتی قلعہ بند کر دیں۔ (۳)

اوپر گزرجکا کہ حکیم احمد خان نے مسلم لیگ کے اجلاس میں ترک گاؤں کشتی کیلئے ہدایت فرمائی اور مولانا عبدالباقی فرنگی جلی بھی اس کی حمایت میں تھے۔ چنانچہ ”الواداعظم میں اس مسئلے پر ”مولانا محمد میاں قادری کی کھلی جھڑپ مولوی عبدالباقی فرنگی جلی کے نام“ سے

(۱) الواداعظم سرجب المرجب ۱۳۳۹ھ

(۲) مفتاح ہند دہلی ۳۱ دسمبر ۱۹۳۰ء / الواداعظم سرجب و شعبان ۱۳۳۱ھ ص ۳۱

تحریک آزادی ہند اور الواداعظم ص ۳۳۸، ملاحظہ ہو قیصر ڈاکٹر مسعود احمد

(۳) حوالہ گذرہ ص ۳۳۸

*** قاضل بریلوی کا سیاسی کردار تحقیق و تاریخی جائزہ ***

ہوئی تھی، چنانچہ طبقہ علماء اور عوام میں اس ترک گاؤ کشی کی تحریک کی سختی کے ساتھ مخالفت کی گئی۔

اس سلسلے میں بہت سے جلسے بھی ہوئے۔ چنانچہ ۱۵ نومبر ۱۹۲۰ء کو تھبہ پٹیل پور ملازمہ اسلامیہ جامعہ ثانی میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس کی صدارت شیخ احمد اللہ خان رضوی نے فرمائی اس جلسے میں حسب ذیل قرارداد منظور ہوئی۔

۱۔ یہ جلسہ مسٹر گاندھی، مسٹر شوکت علی، محمد علی اور مولانا عید الباری قرنگی محلی وغیرہ ہم کی پالیسی و طرز عمل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

۲۔ یہ جلسہ گائے کی قربانی چھوڑنے کے واسطے تیار نہیں اور ان لوگوں سے متفق رہے جو اس شعار اسلام کو مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

۳۔ یہ جلسہ جناب اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد مائتہ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ جناب مولانا مولوی حاجی قاری مفتی شاہ محمد احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ مسلمین بطول بقائے کے فتوؤں کو جو رسالہ ”خلت“ میں شائع ہوئے ہیں، وقعت کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان کی پابندی ہر مسلمان پر فرض سمجھتا ہے۔ (۱) (مقصود علی، بیکریٹری، محمد ن کیٹی، پٹیل پور)

حضرت صدر الامام قاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی اور قاضل بریلوی کی کوششوں سے (۲) وہی مولانا عید الباری قرنگی محلی جنہوں نے گاندھی کی متابعت پر فخر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

عمرے کہ با آیات و احادیث گزشت
رفی و غار بت پرستی کر دی

(۱) السوال الامام عظیم ریح الاول ۱۳۳۹ھ ص ۳۳

(۲) السوال الامام عظیم، رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ مولوی عید الباری قرنگی محلی کے خلاف ایک تنبیہی مضمون

اسی شمارے کے صفحہ ۲۰ تا ۲۱ تک پھیلا ہوا ہے۔

آج ان کو اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ ۲۰ مئی ۱۹۱۹ء کو اخبار ”ہدم“ (لکھنؤ) میں مولانا کی توبہ شائع ہوئی، جس سے باغیرت مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے ہر طرف سے فاضل بریلوی کو مبارکباد کے تار بھیجے اور بھی جلے گئے۔ چنانچہ مراد آباد میں مسجد میر عباس علی اور مسجد چوکی حسن خاں میں اسی قسم کے جلے ہوئے۔ مولانا عبدالباری کا توبہ نامہ ”السواد الاعظم“ کے ص ۱۹ سے ۲۰ تک پھیلا ہوا ہے، اس کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں:

”اے اللہ میں نے جو امور قولاً وفعلاً تقریراً و تحریراً بھی کیے ہیں جن کو میں گناہ نہیں سمجھتا ہوں مولوی احمد رضا خاں نے ان کو کفر یا ضلال یا معصیت ٹھہرایا ہے، ان سب سے اور ان کی مانند امور سے محض مولوی صاحب موصوف پر اعتماد کر کے توبہ کرتا ہوں، اے اللہ! اے اللہ! اے توبہ قبول کرنے والے! میری توبہ قبول کر! توفیق دے کہ تیری معصیت کا ارتکاب نہ کروں۔ (۱)

وسط رجب ۱۳۳۹ھ/۱۹۳۰ء میں بریلی جمعیۃ العلماء ہند کا ایک عظیم جلسہ اور اس موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد اور حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی (خليفة فاضل بریلوی) کے درمیان سیاسی امور پر گفتگو کرنے اور باہمی اختلاف ختم کرنے کے لیے مراسلت ہوئی جو بے نتیجہ رہی۔

اس کے بعد علماء اہلسنت نے یہ فیصلہ کیا کہ خود جلسہ میں پہنچیں۔ چنانچہ دس بارہ علماء اہلسنت جلسہ گاہ میں پہنچے، صدر جلسہ مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ چنانچہ اظہار خیال کے

(۱) السواد الاعظم ۱۳۳۹ھ۔ نوٹ: مولوی عبدالباری فرنگی محلی کی توبہ اور شکست توبہ کی داستان ملاحظہ کرنی ہو تو حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی کی مرتبہ ”کتاب الطاری الداری لہفوات عبدالباری“ مطبوعہ بریلی ۱۳۳۹ھ پڑھیں۔

لیے ان سے وقت مانگا گیا۔ مولانا نے ۳۵ منٹ دیئے (فاضل بریلوی کے خلیفہ پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف) (صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے ترک گاؤ کشی اور ترک موالات کے خلاف مدلل تقریر فرمائی اور اس مسئلے پر علماء اہلسنت کے موقف کو واضح کیا۔ ان کی تقریر سے مجمع کا رنگ بدل گیا۔ پروفیسر موصوف نے مسٹر گاندھی کو پیشوا بنانے، اراکین خلافت کمیٹی کی سخت اور فاحش شرعی غلطیوں کی بھی نشاندہی فرمائی اور یہ کہا کہ علماء اہلسنت کو ترکوں کی مدد اور مقامات مقدسہ کی حفاظت سے اختلاف نہیں اور اگر اختلاف ہے تو ان حرکات سے جو دین کے منافی ہیں۔

مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری کی تقریر کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد نے تقریر فرمائی اور جلسے کا رنگ دیکھتے ہوئے سید سلیمان اشرف صاحب سے اپنے ذاتی مراسم کا ذکر کیا اور ان کی تقریر پر اظہار مسرت فرمایا۔ نیز فرمایا:

”موالات جیسے نصاریٰ کے ساتھ حرام ہے ہندو کے ساتھ بھی حرام

ہے۔ ہندوستان کے ۲۲ کروڑ ہندو گاندھی ہو جائیں اور مسلمان ان کا

اتباع کریں تو میں کہوں گا کہ وہ سب بت ہیں اور یہ بت پرست۔ یہ

کس ذمہ دار شخص نے ہندوؤں کے ساتھ موالات جائز کہی ہے؟۔

مولانا پروفیسر سلیمان اشرف کی تقریر کے بعد حضرت فاضل بریلوی کے بڑے

صاحبزادے حضرت حجت الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی نے خطاب فرمایا اور حرمین

شریفین، مقامات مقدسہ اور ممالک اسلامیہ کی حفاظت و خدمت کو بقدر طاقت و وسعت

فرض عین قرار دیا اور فرمایا کہ میں ترک موالات سے انکار نہیں کرتا، اختلاف ان امور سے

ہے، جو اختیار کیے گئے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ حضرت حجۃ الاسلام نے ”جماعت رضائے مصطفیٰ“ (۱) کی طرف سے ستر سوالات بعنوان ”اتمامِ حجت“ کا بھی ذکر فرمایا اور مولانا آزاد سے اس کا جواب طلب کیا اور فرمایا جب تک آپ ان حرکات سے باز نہیں آتے، ہم آپ کے ساتھ شریک نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد مولانا آزاد سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

حضرت آپ کو بھی اپنی حرکات سے توبہ کرنی ہے اس پر مولانا ابوالکلام آزاد نے دریافت کیا کہ میری کیا حرکات ہیں؟۔

مولانا حامد رضا خان نے جواب دیا کہ ”آپ نے خطبہ جمعہ میں گاندھی کی تعریف پڑھی ہے۔“ (۲)

اس پر ابوالکلام آزاد نے کہا کہ ”میری طرف یہ نسبت کذب ہے۔

اس کے بعد مولانا آزاد نے جلسہ گاہ سے تمام غیر شرعی امور سے توبہ کرنے اور

(۱) واضح رہے کہ جماعت رضائے مصطفیٰ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی نے ۱۹۱۷ء میں بریلی میں قائم فرمایا اور اس کے اہم مقاصد یہ تھے۔

- ۱۔ طالبانِ حق کو راہِ حق دکھانا۔
- ۲۔ مسلمانوں کو بد مذہبوں سے محفوظ رکھنا۔
- ۳۔ رہزنانِ راہِ حق سے بچانے کے لیے مسلمانوں کو بیدار کرنا۔
- ۴۔ تمام دشمنانِ اسلام و ایمان سے ترکِ موالات کے لیے تیار کرنا۔
- ۵۔ اتحادِ مومنین اور ترقیِ اسلام کے لیے کوشش کرنا۔

(بحوالہ تحقیقاتِ قادریہ، بریلی ۱۹۱۹ء، ص ۵۰)

جماعت رضائے مصطفیٰ نے بہت سی علمی سیاسی خدمات بھی انجام دیں۔ سیاسی خدمات کا مختصر احوال سابقہ صفحات میں بیان کیا گیا۔

(۲) حالانکہ یہ خبر ”اخبارِ فتح“ دلی ص ۲۷ ص ۲۳۲ میں شائع ہوئی تھی، جس کے عینی شاہدین میں مولانا احمد مختار احمد صدیقی میرٹھی بھی تھے اور جن کو فاضل بریلوی نے اپنے رسالہ ”الحجۃ المومنہ ۱۳۳۹ھ“ ص ۸۵ میں نقل فرمایا ہے۔

ان سے اپنی بیزاری شائع کرنے کا وعدہ فرمایا۔^(۱)

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے پر آشوب دور نے علماء و صوفیا کی عقل و شعور کو متاثر کیا۔ ان کے فیصلے بھی حالات سے متاثر نظر آتے ہیں۔ مولوی عبدالباری اور ابوالکلام آزاد کا حال اوپر گزر چکا۔ خواجہ حسن نظامی^(۲) بھی محفوظ نہیں رہے تھے، انہوں نے بھی اس زمانے میں ایک جگہ مجالس مولود النبی ﷺ کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمان ۱۲ ربیع الاول شریف کو ہندوؤں کی دلجوئی کیلئے گائے کی قربانی بند کر دیں۔^(۳)

ایک اور جگہ پر جھٹکے کے گوشت کو ذاتی طور پر جائز تحریر فرمایا تھا۔ (اخبار ”جمہور“ کلکتہ، ۱۳۳۸ھ) اور ایک دوسری جگہ استنجنے کے لئے ڈھیلے کے استعمال کو عرب کی وقتی ضرورت قرار دیا تھا۔ (اخبار ”منادی“ دہلی یکم فروری ۱۹۲۹ء) خواجہ حسن نظامی کے اس طرز عمل پر گرفت کرتے ہوئے تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے مسلمانوں کو غیر شرعی اور غیر اسلامی روش اختیار کرنے سے روکا اور سخت تنبیہ کی تھی۔^(۴)

اسی طرح جمعیت العلماء ہند کے مولوی احمد سعید نے اپنے ایک مضمون میں کرشن کو خراج عقیدت پیش کیا تھا۔ (روزنامہ ”تیج“ دہلی کرشن نمبر ۱۹۳۰ء) تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رضوی نے ان کا تعاقب بھی کیا تھا۔^(۵) اسی طرح جمعیت العلماء ہند کے

(۱) السواد الاعظم رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ، ص ۱۹-۲۰

(۲) خواجہ حسن نظامی، اردو کے مشہور ادیب تھے اور ان کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ شاہ و گدا کا فرو و شرک مسلمان، غیر مسلمان سب ان کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ ۱۹۵۴ء میں دہلی میں انتقال ہوا، مزار، درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی میں واقع ہے۔

(۳) اخبار حق (لکھنؤ) ۱۹ اگست ۱۹۲۹ / السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۳۴۸، ص ۴

(۴) السواد الاعظم، رمضان المبارک ۱۳۴۸، ص ۸

(۵) السواد الاعظم، ذی الحجہ ۱۳۵۰، ص ۲۵

صدر مفتی محمد کفایت اللہ (۱) نے شردھانند کے قاتل غازی عبدالرشید کے لیے فتویٰ دیا کہ وہ جنت سے محروم ہے۔ انہوں نے تحریر کیا:

”کافر معاہدہ کا قاتل جنت کی بو بھی نہ سونگھے گا۔“ (۲)

ایک طرف حضرت مفتی صاحب نے یہ فتویٰ عنایت فرمایا اور دوسری طرف جب مسلمانوں نے شردھانند کے قصاص میں غازی عبدالرشید علیہ الرحمۃ کی شہادت پر ماتم کیا اور فاتح خوانی کی مجلسیں منعقد کی تو ہندوؤں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے اس کا برملا اظہار کیا۔

قوم پرستی اور مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں پر نوازش و عنایت کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کے حوصلے بڑھ گئے اور پھر وہ وقت بھی آیا جب دل کی بات زبان پر آ گئی بڑے سلیقے سے تنظیمیں بنائیں اور مسلمانوں کو شہید کیا گیا مثلاً ”سیواسمپتی“ کے نام سے ایک ہندو تنظیم وجود میں آئی۔ اس کے رضا کار ریلوے اسٹیشنوں پر مسافروں کو پانی پلاتے اور ان کو آرام و آسائش پہنچانے میں مدد دیتے۔ اسی تنظیم نے جین پور میں مسلمانوں کے خلاف زبردست فساد پیدا کیا۔ (۳)

ہر ادوار میں مسلمانوں کی ہی دکانیں لٹیں گئیں اور بے غم لیڈر اتحاد ہی کے نعرے بلند کرتے رہے۔ بنارس، مرزا پور، اوناؤ، کانپور، آگرہ وغیرہ مقامات میں ہندوؤں نے کیا

(۱) مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی، مسلک دیوبند کے ممتاز عالم دین تھے ابتدا میں سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے تھے لیکن بعد میں سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور بقیۃ عمر درس و تدریس و فتویٰ نویسی میں گزار دی۔ ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۲ء میں دہلی میں انتقال ہوا اور درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی چوکھٹ پر مدفون ہوئے۔

(تحریک آزادی ہند اور السوادالا عظم، ص ۲۳۵، مولفہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد)

(۲) السوادالا عظم، رجب المرجب ۱۳۴۵ھ، ص ۱۷/ اخبار ہمد (لکھنؤ) ۸ جنوری ۱۹۲۷

(۳) اخبار ”ہمد“، لکھنؤ ۲۳ جولائی ۱۹۲۱ء

طوفان برپا کیے؟ کیسے کیسے لرزہ خیز مظالم نہ توڑے، اسی زمانے میں کٹار پور کی ستم رانیاں سامنے آئیں، کئی سوزندہ مسلمان جلادے گئے۔ (۱)

یہ سب کچھ ہوا، مگر ہندو مسلم اتحاد کے داعیوں نے اس طرف توجہ نہ فرمائی۔ مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے پوری تیاریاں کی جا رہی تھیں، مگر قوم پرست مسلمان اس سے چشم پوشی کیے ہوئے تھے جو کچھ ہو رہا تھا، اس کی کہانی حضرت تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ کی زبانی سنئے:

”ان کا طیش اور فتنہ انگیزی و جذبہ مسلم آزاری میں پہلے سے بدرجہ جہاں زیادہ ہو گیا ہے۔ ان کے لیڈر عام جموں میں اپنی قوم میں اشتعال انگیزی کرتے اور انہیں مسلمانوں پر جو رستم کرنے پر آمادہ کرتے اور ابھارتے ہیں ہندوؤں کی جماعتوں کی جماعتیں فن سپہ گری اور نبرد آزما کی مشقیں کر رہی ہیں، تقریباً تمام کی تمام قوم ہندو عداوت اسلام کے جذبے میں سرشار ہے، روزانہ قتل و غارت کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ (۲)

حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مدظلہ بیان کرتے ہیں کہ:

”۱۹۳۰ء کے جس ماحول کا اوپر نقشہ کھینچا گیا ہے وہ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۷ء کے درمیان میں نے پچشم خود دیکھا علماء اہلسنت و جماعت نے اس دور پر آشوب میں جس سیاسی بصیرت اور دور اندیشی کا ثبوت دیا۔ ان کے معاصرین سیاست دان اور قوم پرست علماء میں اس کا

(۱) السواد الاعظم، رجب المرجب ۱۳۴۷ھ، رپورٹ، قاضی احسان الحق نعیمی، ناظم محکمہ تبلیغ دارالعلوم

اہلسنت و جماعت مراد آباد

(۲) السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۳۳۹ھ، ص ۹

*** فاضل بریلوی کا سیاسی کردار تحقیقی و تاریخی جائزہ ***

تقدیران نظر آتا ہے، چنانچہ تحریک خلافت، تحریک موالات، میں جو حضرات ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے وہ بعد میں یہ سوچتے پر آمادہ ہو گئے کہ جو کچھ انہوں نے کیا اس میں عقل سے زیادہ جذبات کی آمیزش تھی۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:-

”۱۹۳۱ء-۱۹۳۰ء میں جب خلافت کمیٹیاں کانگریس میں ضم ہو گئیں تھیں۔ اس وقت بھی بتایا گیا تھا کہ ہندوؤں کی دوستی پر اعتماد خلافت قرآن و سنت اور خلافت عقل و تجربہ ہے، مگر ”خود رائے لیڈر“ یہ بات کب مانتے والے تھے؟۔ علماء اہلسنت کے درپے آزاہو گئے۔ ان کی زندگی اور عزت کے لیے خطرے پیدا کر دیئے گئے۔ انہیں طرح طرح کے بہتانوں سے متہم کیا گیا۔ ان کے ساتھ وہ عقائد برتا جو کسی سخت سے سخت کافر کے ساتھ بھی برتا انہیں اپنی زندگی میں کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔ لیکن چند سال کے تجربوں نے انہیں یقین دلادیا کہ علماء اہلسنت برسر حق تھے، ہندوؤں کے ساتھ اتحاد اور ان پر اعتماد خطرناک اور تباہ کن غلطی تھی۔ آج اس اتحاد کے علمبردار مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی، سید حبیب اور دوسرے لیڈر ہندوؤں کی بے وقافتوں کا رونا رورہے ہیں اور جو حضرات علماء (اہلسنت) نے فرمایا تھا، وہ یہودیہ یا یہی پا کر اتحاد کے زہر لیے اثر سے دور بھاگ رہے ہیں۔ وہی مولوی اور وہی لیڈر جو گاندھی کی اطاعت فرض سمجھتے تھے آج گاندھی کو مسلمانوں کا بدخواہ مان رہے ہیں۔ حیرت ہے! (۱۱)

*** فاضل بریلوی کا سیاسی کردار۔۔۔۔۔ تحقیقی و تاریخی جائزہ ***

نوٹ: پروفیسر ڈاکٹر محمد محمود احمد دہلوی بیان کرتے ہیں کہ فسادات کو ہوا دینے کے لیے ہندوؤں نے تشہیاتی حربے بھی استعمال کیے تھے۔ مثلاً ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں دہلی میں ایک فوٹو چھاپ کر بکثرت تقسیم کیا گیا تھا اور اس میں دو بچوں کی تصویر دکھائی گئی تھی۔ جنہیں لاہور کا مسلمان ایک دیوار میں تندہ چھوڑا ہوا ہے اور اس موقع کے نیچے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

”۱۳۳۷ء میں سات اور چھ برس کے بالک دھرم پر بلند ان۔ اورنگ زیب

عالمگیر کے راج میں لاہور کے ”سرہند“ نے گرو گوہند سنگھ کے دو بالکوں سے

کہا کہ تم مسلمان بنو۔“

یعنی زور آور سنگھ، فتح سنگھ نے کہا ”مسلمان نہیں بنیں گے، اسلام میں کون سی ایچی

بات ہے جو ایک دھرم سے؟“

سرہند: تمہاری بیگماتوں سے شاہی لہوٹیاں خدمت میں حکومت کے لیے اورنگ زیب

کے پاس ہیں۔

زور آور سنگھ: بیگماتیں، لہوٹیاں، حکومت نہیں چاہتے۔ ۱۳۳۷ء میں گرو تیغ بہادر نے

سردیا تھا۔

سرہند: تم کو زندہ دیوار میں چنوا لیا جائے گا۔

زور آور سنگھ: دھرم پر تیار ہیں۔^(۱۱)

آپ نے دیکھا کہ ہندوؤں نے ماضی میں مسلمانوں کی تاریخ و کردار کو مخ کرنے اور

ہندوؤں اور سکھوں کو ان کی جاتیں لینے کے لیے تیار کرنے کے لیے کیا کیا جتن کیے؟۔

ایسی تصویر آگ لگانے کے لیے کافی تھی۔ ایسے جذباتی دور میں جمہور کا تنقیدی شعور تقریباً

ختم ہو جاتا ہے اور دشمن جو چاہتا ہے ان سے کام لے سکتا ہے۔ غالباً اسی زمانے میں مولانا آزاد نے ”سرمہ شہید“ کی مختصر سوانح لکھی جس میں اورنگ زیب عالمگیر کے کردار کو مسخ کر کے قاری کو داراشکوہ کی طرف مائل کیا ہے اور سرمہ کا ہمدرد و غمخوار بنایا ہے۔ یہ سوانح ”حالات سرمہ“ کے عنوان سے رحمانی پریس، دہلی میں طبع ہوا۔ (۱)

حضرت تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ نے ۱۹۲۰ء میں مسلمانوں کو علماء حق کی جس ہدایت و نصیحت کی طرف اشارہ فرمایا تھا، اس کے وہ خود بھی داعی تھے اور انہوں نے مسلمانوں کو اس انداز سے انتباہ کیا تھا۔

آپ لکھتے ہیں:

”مسلمانو، ہوشیار! اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو، صراطِ مستقیم پر قائم رہو، جو علماء بلاد اسلامیہ کے ہم عقائد و ہم خیال ہیں۔ ان کے دامنوں کو تھا مو اور اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو۔ کسی آندھی کا جھونکا، کسی طوفان کی لہر، تم کو جگہ سے نہ ہلا سکے۔ دوستوں کے لباس میں آنے والے دشمن، ہمدردی و محبت کے گیت گا کر دل بھانے والے خوں خوار تم پر اپنا جادو نہ چلا سکیں، تم کو اپنے دامِ فریب میں لا کر تباہ نہ کر سکیں۔“

اور پھر انہوں نے ۱۹۲۹ء میں متنبہ کیا:

”مسلمانو! اسلامی احکام کے سامنے گردن جھکاؤ، شریعت کا احترام

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

اور پاسداری تمہارا فرض ہے، وقت کی نزاکت کو پہچانو! اپنی حالت کو دیکھو۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو تباہ نہ کرو۔ شریعت کے مجرم نہ بنو، اپنی آبرو، پیسہ، وقت ضائع نہ کرو، ہر اخلاق خراب کرنے والی مجلس سے دور بھاگو۔^(۱)

تاج العلماء کے اس انتہائی تحریر پر اثر اور اپیل سے مسلمانوں کی اصطلاح میں بڑی مدد ملی۔ مسلمانوں میں سیاسی شعور جاگ رہا تھا، نئے طریقے سے صف بندی کی تحریک پیدا ہوئی اور اپنے حقوق کی حفاظت کا احساس جاگا۔

(۱) السواد الاعظم ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ، ص ۱۰-۱۱، مراد آباد

(باب سوم)

تدبیر فلاح و نجات و اصلاح اور اس کے اثرات

(باب سوم)

تدبیر فلاح و نجات و اصلاح^(۱) اور اس کے اثرات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ حاجی محمد لعل خان نے ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں کلکتہ سے یہ رسالہ بنام ”تدبیر فلاح و نجات و اصلاح“ شائع کروایا تھا اور انھوں نے اعلیٰ حضرت سے یہ پوچھا تھا کہ آج کل کے حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟۔ اعلیٰ حضرت نے انھیں جواباً فرمایا کہ آپ پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ اس کا جواب میں کیا دے سکتا ہوں، اللہ عز و جل نے تو

(۱) ۱۷۹۱ء میں امریکی سیاست دان الیگزینڈر ہملٹن نے ”نظریہ تائمن“ پر زور دیا اور آزاد بین الاقوامی تجارت کی مخالفت کی، جرمنی میں فریڈرک لست (Fredrich Iest) نے تائمن کی حمایت کی مغربی دنیا نے اس نقطے پر دوسری جنگ عظیم کے بعد عمل کر کے حیرت انگیز ترقی کی مگر فاضل بریلوی نے پہلی جنگ عظیم سے قبل ۱۹۱۲ء میں تائمن کی اہمیت کو مسلمانوں میں روشناس کرایا۔ اور اس پر زور دیا دوسری جنگ عظیم کے بعد فرانس، جرمنی، اٹلی کا حال تباہ تھا۔ روم میں ایک کانفرنس ہوئی اور یورپی مشترکہ منڈی کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے نتیجے میں عالمی منڈی میں جرمنی سکے کے مقابلے میں ڈالر کی قیمت گھٹ کر اور وہ سکے کرنسی بن گیا۔ اس تجربے سے معیشتات میں ایک نیا تصور ”Theory of economics integration“ قائم ہوئی۔ اسی نظریے کے تحت آر۔سی۔ ڈی کے نام سے پاکستان، ترکی اور ایران میں معاہدہ ہوا۔ اگر فاضل بریلوی کی ہدایت پر ۱۹۱۲ء میں عمل کر لیا جاتا تو آج مسلمانوں کی معاشی حالت قطعاً مختلف ہوتی۔

حال ہی (دسمبر ۲۰۰۶ء) میں اسلام آباد، پاکستان میں منعقدہ تین روزہ عالمی اسلامی اقتصادی فورم کے اختتام پر جو مشرکہ اعلامیہ جاری کیا گیا اور جسے ملک کے تمام برنٹ والیکٹر وٹک میڈیانے نشر کیا، اس میں امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے چار نکاتی معاشی و تعلیمی پروگرام کی صدائے بازگشت واضح طور پر سنائی دیتی ہے۔ حریذ تفصیل کیلئے ادارہ ماہنامہ ”معارف رضا، کراچی، شمارہ اکتوبر اور دسمبر ۲۰۰۶ء ملاحظہ فرمائیں۔ (نوری غفرلہ)

مسلمانوں کی جان و مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔

﴿ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَن لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾

ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور مال (ومتاع) جنت کے بدلے خرید لئے۔“ (سورۃ التوبہ)

برصغیر ہندوستان کے مسلمانوں میں یہ طاقت کہاں کہ وطن و مال و اہل و عیال چھوڑ کر ہزاروں کوس جائیں۔ یہاں مسلمانوں پر یہ گزر رہی ہے کہ یہاں کے دینی جلعے جلوس وہی رنگ، وہی ٹھٹھر، وہی امنگ، وہی تماشے، وہی پارٹیاں، وہی غلٹیس، وہی فضول خرچیاں، ایک بات کی بھی کمی نہیں۔ ابھی ابھی ایک شخص نے ایک دنیاوی خوشی کے نام سے پچاس ہزار روپے دیئے۔ ایک رئیس نے ایک کالج کو ڈیڑھ لاکھ روپے دیئے اور ایک انگریزی یونیورسٹی کے لئے تو تیس لاکھ سے زائد ہی رقوم جمع ہو گئیں۔ صرف ایک رات میں ہمارے مفلس شہر بریلی سے چھبیس ہزار روپے کا چندہ ہوا۔

آج لوگ گاندھی کے کہنے پر مظلوم اسلام کی مدد کیلئے جو کچھ جوش دکھا رہے ہیں۔ آسمان سے بھی اونچے ہیں اور عملی کارروائی ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کو ورغلا یا جا رہا ہے کہ یورپ کے مال کا بائیکاٹ کریں۔ میں تو ایسے حالات میں اسے پسند نہیں کرتا، نہ ہرگز مسلمانوں کے حق میں کچھ نافع پاتا ہوں۔

وقت کا تقاضا ہے کہ مسلمانانِ برصغیر اپنی سلامت روی پر قائم رہیں۔ کسی شریر قوم کی حال میں نہ آئیں۔ اپنے اوپر مفت بدگمانی کا موقع نہ دیں۔ ہاں اپنی حالت سنبھالنا اور بدلنا چاہتے ہیں تو ان لڑائیوں پر کیا موقوف ویسے ہی چاہیے تھا کہ مسلمان اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیں اور مندرجہ ذیل امور پر سختی سے عمل کریں تو اپنے درپیش مسائل پر باجن و خوبی قابو پا سکتے ہیں۔ اس رسالے میں اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کو حقیقی فلاح حاصل

کرنے کے لئے اپنی چار تدابیر کی طرف متوجہ فرما کر مسلمانانِ ہند میں اسلام کا سچا جذبہ بیدار کیا تھا اور جو تدابیر و اصلاح پیش کئے تھے، وہ یہ ہیں:

۱۔ ماسوائے ان امور کے جن میں حکومت کی دخل اندازی ہے، اپنے معاملات باہم

فیصل کریں کہ کروڑوں روپے مقدمہ بازی پر نہ اڑائیں۔

۲۔ مسلمان اپنی قوم کے سوائے کسی سے نہ خریدیں۔

۳۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد کے تو نگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے

بینک کھولیں۔ (۱)

۴۔ علم دین کی ترویج و اشاعت کریں۔

حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی مندرجہ بالا اہم تجاویز کو پیش نظر رکھتے ہوئے ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء میں تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی الاشرفی نے مسلمانوں کی معاشی اور اقتصادی خوش حالی کے لیے نہایت نفیس تجاویز پیش کی اور دردمندانہ اپیل کی۔ یہ وہ وقت تھا جب مسلمان سیاسی رہنما مسلمانوں کی سیاسی ترقی سے بالکل غافل تھے اور حیرت یہ ہے کہ جو قوم مسلمانوں کی اقتصادی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی، اس سے وُداد، واتحاد کے درپے تھے، گویا اپنے عمل سے ہندوستانی لیڈر مسلمانوں کی رہی سہی اقتصادی قوت کو بھی ختم کر رہے تھے اور ان کو خبر تک نہ تھی کہ ایسے نازک حالات میں تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے جس سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا، وہ نہایت ہی حیرت ناک اور تعجب خیز ہے۔ خصوصاً ان لوگوں کیلئے جو طبقہ علماء کو ناکارہ سمجھتے ہیں۔ (نوری غفرلہ)

(۱) فاضل بریلوی کی اس تجویز پر بہت بعد میں عمل ہوا چنانچہ ۱۹۴۱ء میں بمبئی میں حبیب بنک قائم ہوا۔ نوٹ: پروفیسر رفیع اللہ صدیقی (ایم ایس کونز یونیورسٹی کینیڈا) نے اپنے ایک فاضلانہ مقالے میں جدید معاشیات کی روشنی میں ان تدابیر کا جائزہ لیا ہے۔ اور راقم الحروف نے عربی زبان میں ”خطوط الاقتصادی الاسلامی“ کے نام سے تحریر کیا ہے، اور یہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی سے مطبوعہ ہے۔

حضرت تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ ملت اسلامیہ کو متوجہ کرتے ہوئے یہ مزید لکھتے ہیں کہ:

مسلمان، ان حالات کا احساس کریں اور جلد تر اپنی حالت بہتر کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

۱۔ دوسرے تمام مشاغل ترک کر دیں، ذرائع معاشی پیدا کریں۔

۲۔ اور بے روزگاروں کے لیے کارآمد تدابیر سوچیں اور عمل میں لائیں۔

۳۔ تمام فضول مصارف قطعاً ترک کر دیں، کھیل اور تماشوں میں روپیہ ضائع کرنا موقوف، سیکریٹ موقوف، چائے موقوف، جو حاجت سے زائد ہے اور جس کے بغیر زندگی گزارنا دشوار نہیں ہے۔ اپنے خرچ آمدنی سے گھٹائیں۔

۴۔ جس طرح ممکن ہو قرض ادا کریں۔ ایک دوسرے کے ادائے قرض میں مدد دیں، یہ اسیروں کی رہائی ہے مردہ قوم کے لیے جاں بخشی ہے۔

۵۔ اگر تمام دماغ جو مختلف افکار میں پریشان رہا کرتے ہیں، اس طرف متوجہ ہو جائیں اور سارے ہی خواہاں قوم مسلمانوں کی حالت درست کرنے میں مصروف ہوں تو وہ دن دور نہیں کہ مسلمانوں کا شمار بھی زندہ قوموں میں ہو۔ حضرت فاضل بریلوی پھر ایک جگہ تحریر کرتے ہیں کہ اگر ہندوستان کے جملہ مسلمان امیر، فقیر، غریب، رئیس اپنے سچے ایمان سے ہر شخص اپنی ایک ماہ کی آمدنی دے دے تو گیارہ ماہ کی آمدنی میں بارہ مہینے گزارا کر لینا کچھ دشوار نہ ہو اور اگر اللہ عزوجل چاہے تو لاکھوں پونڈ جمع ہو جائیں گے۔ یونیورسٹی کے لیے غریب مسلمانوں کا پیٹ کاٹ کر تیس لاکھ سے زائد جوڑ لیا اور اس پر سود مل رہا ہے کہ اس کی مقدار بھی چالیس ہزار سے زائد ہو چکی ہے اور وہ یونیورسٹی بنی بھی نہیں۔ یہ روپے تو گھر سے دینا نہیں اس کو اللہ واحد قہار کی راہ میں بھیج دیجئے۔ اسلام باقی ہے تو یونیورسٹی بھی

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

بن جائے گی اگر اسلام نہ رہا تو کیا یونیورسٹی بخشوالے گی؟ بلکہ میری رائے تو یہ ہے کہ یونیورسٹی آئندہ بھی نہ بن سکے گی اور کیا کیا لکھوں؟ یہ مرثیہ تو عمر بھر کا ہے۔ مسلمان ان چار باتوں میں سے ایک پر بھی اختیار کرتے نہیں معلوم ہوتے۔“ (۱)

تاج العلماء مزید لکھتے ہیں کہ:

”ہمیں افسوس ہے کہ مسلمانوں نے بڑے بڑے کام کئے، لیڈروں نے بڑی پلچل مچائی، دنیائے اسلام میں بارہا تلامذہ پیدا ہوئے، مگر رہنماؤں نے اس مقصد پر زور نہ دیا اور کبھی سرگرم عمل نہ ہوئے، کاش اب بھی احساس کریں۔ (۲) اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کی معاشی حالت سدھارنے کے لیے جو تجاویز پیش کی ہیں، قریباً ۷۵ سال گزرنے کے باوجود آج بھی پاکستان کے مسلمان اس پر عمل کریں تو ان کی مجموعی حالت درست ہو سکتی ہے اور اندرونی اور بیرونی قرضوں کا بار ہلکا ہو سکتا ہے، مگر اس کے لیے بڑے عزم و ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہے۔“ (۳)

جس دور میں تاج العلماء نے یہ تجاویز پیش کی تھیں، ہندو مسلم اتحاد کی باتیں ہو رہی تھیں اور جو کچھ ہو رہا تھا، اس تصور سے روح اسلام کا پتلی نظر آتی ہے۔ ایسے دور میں جب کہ ہمتیں پست ہو گئی تھیں، کسی ہندو لیڈر خصوصاً ان کے سرغنہ کو دعوتِ اسلام دینا بڑے عزم و حوصلہ کی بات تھی اور یہ وہی شخص کر سکتا تھا جس کے قلب میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرّم ﷺ کی محبت اور اسلام کا درد جاگزیں ہو اور وہ حکمت و موعظت کے ساتھ تبلیغِ دین

(۱) حیات اعلیٰ حضرت، ص ۴۳۳، حصہ اول، مطبوعہ لاہور

(۲) السواد الاعظم، ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ، ص ۶

(۳) تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص ۱۹۵

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

کافر بیضہ انجام دینے کا ہل ہو۔ ایسی ہمت کرنا یقیناً بڑی بات تھی۔ آئیے ذرا تاج العلماء کی مسٹر گاندھی کے نام دعوتِ اسلام ملاحظہ کریں۔ ایک ایک لفظ جرأتِ ایمانی اور اسلام کے درد میں ڈوبا ہوا ہے۔

۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں جب مسٹر گاندھی نے ہندوؤں سے چھوت چھات ختم کر کے اچھوتوں کو ملانا چاہا تو اس موقع پر تاج العلماء نے بڑی ہمت اور جرأت کے ساتھ انہیں اسلام کی دعوت دی اور فرمایا:

”اے ہندوؤں کے عالی ہمت، بلند حوصلہ لیڈر، تو نے ایک دیرینہ غلطی کو دور کرنے کے لیے بھوک ہڑتال کی جو غلطی ہندو قوم کی انسانی حقوق کے متعلق تھی، تو کیا اے شیر دل بہادر، تجھ میں یہ بھی ہمت ہے؟ یہ بھی حوصلہ ہے کہ تو خداوند عالم سے بغاوت کرنے کی رسم و آئین کو مٹانے کے لیے اپنی جان کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو؟۔ اگر تو چھوت توڑ کر انسانی حقوق کی پاسداری کے لیے بھوک ہڑتال کر سکتا ہے تو بت پرستی مٹا کر شانِ کبریائی کا حقِ عبدیت ادا کرنے کے لیے کوئی قربانی تیری تجویز میں ہے؟۔ اگر تو نے سیاسی میدان سے قدم آگے بڑھا کر ہندوستان کے کثیر انسانوں کی روحانی زندگی کی طرف قوم بڑھانے کی تحریک کی تو تیری سعی مبارک ہے، تیرا عمل مقبول ہے تو واقعی سچا خیر خواہ ہے اور تو واقعی ہندوستان کا اصلی محسن ہے۔“ (۱)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

”تو جس طرح سات کروڑ اچھوتوں کے مذہبی عقیدے کے سامنے سر نیاز جھکا کر انہیں اپنے ساتھ لے سکتا ہے، اس طرح آٹھ کروڑ مسلمانوں کے اعتقاد

*** فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ***

کے سامنے بھی سر تسلیم خم کر کے اس جماعت کو اپنے میں ضم کر سکتا تھا۔ ہندو دھرم کے اہل عقیدوں کو توڑ کر اگر بھنگی سے برادری کی جاسکتی ہے تو اسی تدبیر سے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا لینا کیا مشکل ہے؟ تو حید کی رسالت کی صدا میں مسلمانوں کی ہم آہنگی کرو تو کیسی اکثریت؟ ہندوستان کی تمام آبادی تمہارے ساتھ ہے۔ پھر حکومت کی لیے جو دستور بنے گا، اس میں کوئی منازعت کرنے اور جھگڑا اٹھانے والا ہی نہ ہوگا، اے سیاسی لیڈر! ذرا اور دُور بینی سے کام لے کے ایک قدم اور آگے بڑھا، پھر میدان تیرے ہاتھ میں ہے۔^(۱)

تاج العلماء نے مسٹر گاندھی کو جو مخلصانہ دعوت دی تھی وہ دل کی آواز اور وقت کی پکار تھی، اگر وہ اس طرف متوجہ ہوتے اور یہ دعوت قبول کر لیتے تو ہندوستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ نہ وہ اپنے نفس کے ساتھ مخلص تھے اور ہندوستان کی عوام کے ساتھ۔

اس ضمن میں جمہوریہ وسطی افریقہ کے صدر کے قبول اسلام کا واقعہ کا ذکر بے جا نہ ہوگا۔ ہوا یہ کہ اکتوبر ۱۹۷۶ء جمہوریہ وسطی افریقہ کے صدر بوسا کا (صلاح الدین احمد) نے اپنے اعیان مملکت اور اہل و عیال کے ساتھ لیبیا کے صدر معمر قذافی کے دورے کے موقع پر ان کی ”موجودگی“ میں اسلام قبول کیا اور اپنی رعایا سے اپیل کی کہ وہ بھی مشرف بہ اسلام ہو جائے۔ (صدر کے اس عمل اور اعلان سے کثیر تعداد میں لوگ مسلمان ہو گئے) کاش اسی طرح مسٹر گاندھی بھی تاج العلماء کی دعوت پر اسلام قبول کر لیتے اور پھر ہندوستانی عوام کو دعوت اسلام دیتے تو ایک عظیم الشان انقلاب آتا۔ دورنگی ختم کرنے کا سہرا انہیں کے سر رہتا، جس کے لیے وہ عرصہ سے کوشاں تھے۔

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اپنے مشاہدات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:
 ”۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں دہلی میں مسٹر گاندھی اپنے دعائیہ اجلاس (پراقتنا)
 کا آغاز تلاوت سورت فاتحہ و اخلاص سے کرتے تھے۔ غالباً اسی لیے مسلم
 آبادی کے بعض لوگ ان کو مسلمان ہی سمجھتے تھے۔ ان کی موت پر انہی کی
 طرف سے فاتحہ وغیرہ کا بھی اہتمام کیا گیا اور اب بھی ہوتا ہے، مگر حقیقت
 میں وہ ہندو ہی تھے اور ہندومت کے زبردست داعی۔ اگر وہ ایک قدم اور
 آگے بڑھا لیتے تو برصغیر کا سیاسی حل بحسن خوبی نکل آتا اور ہولناک کشت
 و خون نہ ہوتا۔ مگر افسوس کہ تاج العلماء کی اس دعوت پر لبیک نہ کہا اور تحریک
 خلافت و تحریک ترک موالات کے ذریعے مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو
 کر اپنے پنہاں عزائم کی تکمیل کی۔“ (۱)

اس طرح مسٹر گاندھی نے برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں ہندو اور مسلم اقوام میں
 بعض نفرت اور عداوت کا وہ بیج بویا جو آج آزادی کے ساٹھ برس گزرنے کے
 باوجود پاکستان اور ہندوستان اور بنگلہ دیش کی سیاست میں زہر گھول رہا ہے اور ان کی معاشی
 ترقی اور فلاح و بہبود میں سدِ راہ بنا ہوا ہے۔

(باب چہارم)

ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟

*** فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ***

(باب چہارم)

ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟

تحریک خلافت اور پھر ترک موالات (۲۰-۱۹۱۹ء) کے دور میں فاضل بریلوی کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان اٹھایا گیا، یہ دور نہایت جذباتی دور تھا مگر اس پر آشوب دور میں فاضل بریلوی ان کے خلفاء، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ نے جس سیاسی سوجھ بوجھ اور بصیرت کا ثبوت دیا اس کی قدر اگرچہ اس وقت نہ کی گئی مگر آج کا مورخ مجبور ہے کہ اس بصیرت اور عاقبت اندیشی کو خراج عقیدت پیش کرے۔

اس دور میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ایک فتویٰ بنام ”اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالسلام“ ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء مطبوعہ حسنی پریس بریلی سے اس وقت شائع ہوا، جب ہندوستان کے بعض علماء نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر سود کو جائز قرار دیا۔ ان کا تعاقب کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔

”عجب ان سے جو تحلیل رلو (سود) کیلئے جس کی حرمت نصوص قطعیہ قرآنیہ سے ثابت اور اس پر کیسی کیسی سخت وعیدیں وارد، اس ملک کو دارالحرب ٹھہرائیں اور باوجود قدرت و استطاعت ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں، گویا یہ بلاد اسی دن کیلئے دارالحرب ہوئے تھے کہ مزے سے سود کے لطف اٹھائیے اور آرام تام وطن مالوف میں سیر فرمائیے۔ استغفر اللہ۔“

”اَفْتُوْا مِّنْوَ بَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضِ“ (۱)

واضح رہے کہ حضرت فاضل بریلوی مصلحت وقت کے تحت فتویٰ دینے کے خلاف

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

تھے یعنی جب معاش مصالح کے بناء پر سود لینے کو جی چاہا تو ہندوستان کو دارالحرب بنادیا اور جب سیاسی مصالح کی بناء پر مسلمانوں کو ترک وطن کے لئے مجبور کرنا چاہا تو پھر دارالحرب بنادیا۔ اس چہ بواجبی است؟۔ (۱)

ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ مفتی پر کھنے والی آنکھیں رکھتا ہے۔ ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے کو غاصبانہ سمجھتا ہے اور مسلمانوں کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ بقدر استطاعت ملک کی آزادی کیلئے کوشش کریں، لیکن حیرت ہے کہ اس موقف کے مخالفین کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دینا تو اپنے حق سے عملاً دست برداری ہوگی، کیونکہ اس طرح ہجرت فرض ہو جاتی ہے اور اختصلاص وطن کیلئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ حیرت ہے! ایک ہزار سال تک حکومت کر کے اتنی جلدی اپنے حق سے دستبردار ہونا نہ قرین عقل ہے اور نہ ہی قرین انصاف! پھر یہ سوال بھی ذہن میں آتا ہے کہ انگریزی راج میں ہندوستان دارالحرب ہو سکتا ہے تو آج ہندو راج میں کیوں نہیں؟ حالانکہ شعار احکام و اسلام پر عمل کرنے میں انگریزوں کی عملداری میں جو آزادی تھی، اب اتنی آزادی نہیں۔ اس سے شک ہوتا ہے کہ فیصلے مصلحت وقت کے تحت کئے گئے اور اس مصلحت اندیشی نے سیاسی سطح پر مسلمانوں کو نقصان ہی پہنچایا۔

۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء میں بدایوں سے مرزا علی بیگ نے مولانا احمد رضا خان بریلوی سے

تین سوالات کے بالترتیب جوابات مانگے جو مندرج ذیل ہیں اور جس کے جواب میں فاضل بریلوی نے ”اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام“ لکھی۔

پہلا سوال: ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟

دوسرا سوال: دور حاضر کے یہود و نصاریٰ کتابی ہیں یا مشرک؟

تیسرا سوال: مبتدعین داخل مرتین ہیں یا نہیں؟

(۱) حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی، حاشیہ ص ۱۰۵، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود

چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پہلے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔
 ”ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ بلکہ علمائے ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مذہب پر
 ہندوستان دارالاسلام ہے ہرگز دارالحرب نہیں کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہونے میں جو
 تین باتیں ہمارے امام اعظم، امام ائمہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک درکار ہیں، ان میں سے
 ایک یہ ہے کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعت اسلامیہ کے احکام و شعائر مطلقاً
 جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے۔ مگر یہ بات بحمد اللہ یہاں
 قطعاً موجود نہیں۔“ (۱)

احکام کے اعتبار سے آبادیوں کی تقسیم دو طرح پر ہے دارالاسلام اور دارالحرب۔
 ہندوستان میں جب اسلامی حکومت تھی ہندوستان دارالاسلام تھا لیکن جب ہندوستان پر
 انگریزوں کا تسلط عام ہو گیا تو علماء کے درمیان یہ بحث چھڑ گئی کہ اب ہندوستان دارالاسلام
 ہے یا دارالحرب؟ چنانچہ علماء کے ایک گروہ نے اس پر فتویٰ دیا کہ ہندوستان نہ دارالحرب
 ہے نہ دارالاسلام بلکہ دارالامن ہے۔ مثلاً:

مفتی کفایت اللہ صاحب نے ہندوستان کو دارالامن قرار دیا ہے۔
 مفتی انور شاہ کشمیری صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ ہندوستان دارالامن ہے، ”ملک ما اگر
 ہست دارالامان است“۔ (مہاجر نمبر ۳۴)

جہاں تک کتب فقہ کا تعلق ہے، اس مسئلہ میں بہت چھان بین کی گئی مگر دارالامن
 قسم کا کوئی شہر کسی کتاب میں نہ ملا۔ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ آبادی یا تو دارالاسلام ہوگی
 یا دارالحرب۔ کچھ علماء نے ہندوستان کو دارالحرب ہونا بتایا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۵۹/۱۲۳۹ھ) نے ہندوستان کے دارالحرب
 ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ (فتاویٰ عزیز یہ، ص ۱۶)

کچھ علماء نے فیصلہ ہی نہیں کیا بلکہ زندگی بھر تردد میں رہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب ”فتاویٰ رشیدیہ“ میں فرماتے ہیں۔

”ہند کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علماء کا ہے، بظاہر تحقیق حال ہند کی خوب نہیں ہوئی“۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۳)

حالانکہ مسئلہ بالکل ظاہر ہے۔ عام کتب فقہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندوستان انگریزوں کے عہد میں بھی اور آج بھی دارالاسلام ہے۔ ہندوستان کے بارے میں کچھ لوگ اس بنیاد پر دھوکے میں پڑ گئے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں دارالاسلام ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں مسلمانوں کی حکومت بھی ہو۔ یہاں دو صورتیں الگ الگ ہیں۔ ایک یہ کہ دارالاسلام، دارالحرب کب ہوگا؟ یعنی ایک ملک دارالاسلام تھا پھر اس پر کافروں کا قبضہ ہو گیا تو محض کفار کے قبضہ ہی سے وہ دارالحرب ہو جائے گا یا اس کے لیے اور بھی شرائط ہیں؟۔ کچھ لوگوں نے کتب فقہ پر نظریں ڈالیں اور اجتہاد کر لیا کہ جب مسلمانوں کے تسلط سے دارالحرب، دارالاسلام ہو جاتا ہے تو کفار کے تسلط سے دارالاسلام، دارالحرب ہو جائے گا یا بیچ میں لٹک کر دارالامن ہو جائے گا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ کفار کے تسلط کے ساتھ ساتھ دو اہم شرطیں اور بھی ہیں۔ ایک یہ کہ اس بستی میں احکام اسلامیہ بالکل بند کر دیئے جائیں۔ دوسری یہ کہ اس کی کوئی سرحد دارالاسلام سے نہ ملتی ہو۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ایک دارالاسلام کے دارالحرب ہونے کیلئے تین چیزیں ہونی ضروری ہیں:

(۱) کفار کا تسلط تام (۲) احکام اسلام کا بالکل بند ہونا

(۳) دارالاسلام سے اس کی سرحد کا نہ ملا ہونا۔

اگر ان تین میں سے ایک شرط بھی مرتفع (اٹھ) ہو جائے تو دارالاسلام ہی ہوگا، مثلاً کفار کا تسلط ہے، مگر احکام اسلام کل نہ سہی، بعض اسی طرح باقی ہیں، مثلاً جہ، عیدین، نماز، بچگانہ، داڑھی رکھنا وغیرہ وغیرہ تو وہ دارالاسلام ہی ہوگا۔ جیسا کہ ہندوستان انگریزوں کے

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

زمانے میں بھی دارالاسلام تھا اور اگرچہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں تو کم از کم اتنا تو ضرور تھا کہ اس کی سرحد ایران اور افغانستان اور اسلامی ملکوں سے ملی ہوئی تھیں۔ اس لیے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا کوئی شبہ بھی نہیں ہے۔

حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے، ہرگز دارالحرب نہیں کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہو جانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک درکار ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکام شرک اعلانیہ جاری ہوں اور شریعت اسلامیہ کے احکام و شعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اس قدر کافی ہے مگر یہ بات بحمد اللہ یہاں قطعاً موجود نہیں۔ اہل اسلام جمعہ و عیدین و اذان و اقامت و نماز باجماعت وغیرہا شرائع شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان کرتے ہیں۔ فرائض نکاح، رضاع، طلاق، عدۃ، رجعت، مہر، خلع، نفقات، حصانت، نسب، ہبہ، وقف و وصیت شفعہ وغیرہا بہت سے معاملات مسلمین ہماری شریعت پر فیصلہ ہوتے ہیں۔ (۱)

جواب دوم یہ ہے کہ، نصاریٰ باعتبار لغویہ بلاشبہ مشرکین ہیں کہ وہ بالقطع قائل بہ تثلیث و نبوت ہیں۔ اس طرح یہود جو آلوہیت اور ابنیت عزیر علیہ السلام کے قائل تھے۔ فاضل بریلوی اس مسئلے پر اختلافات علماء بیان کرتے ہوئے آخر میں اپنی رائے دیتے ہیں۔ ”احتیاط اسی میں ہے کہ نصاریٰ کے نساء و ذبائح سے احتراز کیا جائے اور آج کل بعض یہود ایسے پائے جاتے ہوں جو عزیر علیہ السلام کو ابنیت مانیں تو ان کے زن و ذبیحہ سے بھی بچنا لازم ہے۔“ (۲)

(۱) اعلام الاعلام ہندوستان دارالاسلام، ص ۲، مولفہ مولانا احمد رمضان خان بریلوی

(۲) اعلام الاعلام ہندوستان دارالاسلام، ص ۱۲، مولفہ مولانا احمد رمضان خان بریلوی

(باب پنجم)

فاضل بریلوی اور ان کے خلفاء

(باب پنجم)

فاضل بریلوی اور ان کے خلفاء

۱۹۲۱ء میں حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کے انتقال کے پانچ سال بعد یعنی مارچ ۱۹۲۵ء مراد آباد (بھارت) میں علماء اہل سنت و مشائخ کی چار روزہ کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں اہل سنت و جماعت کی تنظیم ”الجمعية العالية المركزية“ (آل انڈیائی کانفرنس) کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اس تنظیم کے ناظم اعلیٰ صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی جبکہ صدر حضرت محدث علی پوری پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہا کا انتخاب عمل میں آیا اور کانفرنس کے صدر مجلس استقبالیہ حجتہ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ تھے، جن کی طرف سے خطبہ صدارت پڑھا گیا جس میں برصغیر کے مسلمانوں کے درپیش مسائل کی مفصل نشاندہی کی گئی تھی اور اس کی روشنی میں اس تنظیم کے حسب ذیل مقاصد ترتیب دیئے گئے۔

اس تنظیم کے حسب ذیل مقاصد تھے:

۱۔ ہندوستان کے سنی مسلمانوں کی کثیر تعداد کے انتشار کو دور کر کے ان کی تنظیم کرنا اور انفرادی طور پر مذہبی کام کرنے والوں میں ایک رابطہ پیدا کر کے متحدہ قوت بنانا۔

۲۔ ہندوستان کے ہر شہر اور قصبات و دیہات میں اسلامی انجمنیں قائم کرنا اور موجودہ انجمنوں کو جمعیت عالیہ کے ساتھ مربوط کرنا۔

۳۔ تبلیغی کام کو ایک نظم محکم کے ساتھ، وسیع کرنا اور اس کے لیے مفید ذرائع اختیار کرنا۔

- ۴۔ تبلیغ کی تعلیم دینے کے لیے خاص مدارس کھولنا۔
 - ۵۔ مذہبی تعلیم عام کر کے مسلمانوں کے ہر طبقے کو مذہب سے باخبر اور شائستہ بنانا۔
 - (الف) انگریزی خواں طلبہ کے لیے مذہبی تعلیم کا خاص اہتمام اور آسان ذرائع بہم پہنچانا۔
 - (ب) مزدوروں اور پیشہ وروں کی تعلیم کے لیے مدارس شیعہ جاری کرنا۔
 - ۶۔ مسلمانوں کو تجارت کی طرف مائل کرنا اور ان کی معاشرت میں اصلاح کرنا۔
 - ۷۔ مسلمانوں سے قرض کی عادت چھوڑوانا اور ایسی تدابیر اختیار کرنا کہ مسلمان اپنی ضرورتیں خود پوری کریں اور غیر اقوام کے سامنے قرض کے لیے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے محفوظ رہیں۔
 - ۸۔ مقروض مسلمانوں کے لیے وہ تدابیر اختیار کرنا کہ وہ ایک محدود مدت میں قرض سے سبکدوش ہو جائیں۔
 - ۹۔ بے کار مسلمانوں کے لیے ذریعہ معاش تجویز کرنا اور انہیں کام پر لگانا۔ (۱)
- واضح رہے کہ جامعہ نعیمیہ میں ”الجمعية العالیہ المرکزیه“ یعنی آل انڈیائی کانفرنس کی تشکیل کے بعد ہندوستان کے طول و عرض میں اس کے اجلاس ہوئے اور بہت سی مفید قراردادیں پاس کی گئیں۔ ۶ مئی تا ۸ مئی ۱۹۲۷ء کو (ضلع مظفر پور، صوبہ بہار میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا سہ روزہ اجلاس ہوا، جس کے صدر حضرت حجت الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمہ تھے اور صدر جلسہ مولانا سید محمد شاہ محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ تھے، اس کانفرنس میں مذہبی، اقتصادی اور سیاسی اہمیت کی بہت سی قراردادیں بھی پاس ہوئیں۔ (۲)

(۱) السواد الاعظم، ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ، ص ۵

(۲) السواد الاعظم، ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ، ص ۱۲-۱۳

اسی طرح ۱۳ اگست ۱۹۲۸ء کو آل انڈیائی کانفرنس کا اجلاس پھر مراد آباد میں ہوا، جس میں جموں و کشمیر میں محدث علی پوری پیر سید جماعت علی شاہ صاحب کے داخلے پر پابندی گجراتی اخبار ہندو (سورت) کی دریدہ دہنی اور اس کے جواب میں سلیمان ابراہیم مدیر رسالہ آفتاب اسلام (احمد آباد) کی کتاب کے بارے میں قراردادیں پاس ہوئیں۔^(۱)

۱۸ ستمبر ۱۹۲۸ء کو مراد آباد ہی میں ایک اور اجلاس ہوا جس میں نہرو کمیٹی کی رپورٹ کے خلاف قرارداد پاس ہوئیں اور لازمی تعلیم کے ساتھ جزوی طور پر مذہبی تعلیم کو لازمی قرار دینے کے حق میں بھی قرارداد پاس ہوئی۔^(۲)

۲۔ راج کوٹ (کاٹھیاواڑ) میں مولوی ابوالکمال مراد آبادی کی کوشش سے ۱۱ محرم ۱۳۳۹ھ کے اجلاس میں آل انڈیائی کانفرنس کی شاخ قائم کرنے کی قرارداد منظور کی گئی۔^(۳)

آل انڈیائی کانفرنس کے اجلاس ملک کے طول و عرض میں منعقد کیے گئے اور اس کا مقصد وحید وہ تھا جس کا اظہار تاج العلماء نے اس طرح کیا تھا:

”ہندوستان کے لیے مراعات طلب کرنے میں اگر ہندوؤں نے مسلمانوں کی پروا نہیں کی تو مسلمان اپنی آواز خود علیحدہ کیوں نہ اٹھائیں، اپنے لیے ضروری اور مناسب مراعات کیوں نہ طلب کریں، اپنے حقوق کے مطالبہ سے کیوں زبان روکیں۔“^(۴)

(۱) السواد الاعظم صفحہ ۱۳۳۷، ص ۱۸

(۲) السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۹۳۷ء، ص ۴

(۳) السواد الاعظم، محرم ۱۳۳۹ھ، ص ۱۳

(۴) السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۹۳۹ء، ص ۱۲

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

اس مقصدِ عظمیٰ کا اظہار ۱۹۳۰ء/ ۱۳۴۹ھ میں کیا گیا تھا، یہی وہ زمانہ ہے جب علامہ اقبال اس طرف متوجہ ہوئے اور قائدِ اعظم نے عملی طور پر ۱۹۳۳ء میں مسلم لیگ میں دوبارہ شامل ہونے کے بعد مسلمانوں کی ملی وحدت کے لیے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ ۲۰ مئی سے ۲۲ مئی ۱۹۳۰ء کو (ضلع مالہ بنگال) میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا سہ روزہ اجلاس ہوا۔ ۲۰ مئی کو تاج العلماء اور صدر الافاضل کے شیخ طریقت حضرت شاہ ابوالاحمد محمد علی حسین اشرفی علیہ الرحمۃ (جیلانی سجادہ نشین کچھوچھ شریف) بحیثیت صدر کانفرنس تشریف لائے۔ ۲۱ مئی کو حضرت صدر الافاضل تشریف لائے۔ روزانہ دو اجلاس ہوتے تھے۔ صبح سے ۱۱ بجے تک اور پھر عصر سے رات گئے تک (ماسوائے وقفہ نماز)۔ آخری اجلاس میں صدر الافاضل نے چار گھنٹے تقریر فرمائی۔^(۱)

اس کانفرنس میں مندرجہ ذیل ریزولوشن پاس کیا گیا:

- ۱۔ یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کو کانگریس کی تحریکات سے علیحدہ رہنا ضروری ہے۔ مذہب کا یہی حکم ہے اور اقتصادی مصالح کا بھی یہی اقتضاء ہے۔
- ۲۔ یہ جلسہ جمعیۃ العلماء ہند کی گمراہ کن پالیسی پر اظہارِ نفرت کرتا ہے جو اس نے ہندوؤں کے اشارے سے مسلمانوں کو کانگریسی تحریکات کی تائید پر ابھارنے میں اختیار کر رکھی ہے اور ہم ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ جمعیۃ العلماء صرف چند خود غرض شخصیتوں کا نام ہے جو کٹھ پتلی کی طرح بالکل ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے۔ یہ جماعت مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بھی نہیں اور نہ ہی مسلمان اس جمعیۃ کو اعتماد کی نظر سے دیکھتے ہیں۔
- ۳۔ یہ جلسہ فلسطین کانفرنس بمبئی کی منظور شدہ تجاویز کی تائید کرتا ہے۔^(۲)

(۱) السواد الاعظم، مجرم ۱۳۴۹ھ ص ۳

(۲) السواد الاعظم، مجرم ۱۳۴۹ھ ص ۳-۲

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

یہ قرارداد ناظم محکمہ تبلیغ آل انڈیائی کانفرنس قاضی محمد احسان الحق نعیمی نے پیش کی تھی۔ بنگال کی اس سہ روزہ کانفرنس کے بعد صدر الافاضل دوسرے مقامات سے ہوتے ہوئے ۳۱ جون ۱۹۳۰ء کو، بھاگلپور تشریف لائے اور وہاں ایک جامع و مدلل تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

”جمعیتہ العلماء نے کانگریسی تحریکات کی شرکت منظور کر کے مسلمانوں میں ایک نئے تفرقہ و اختلاف کی بنیاد ڈالی ہے اور اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مسلمان آپس میں کٹ مریں گے اور ان کی قوتیں باہمی مخالفت پر ضائع ہو جائیں گی۔“

حضرت صدر الافاضل نے جس اندیشہ کا اظہار فرمایا گردش دوران نے اس کو سچ کر دکھایا اور آج تک ہم اس فتنے کے اثرات سے کلیۃً محفوظ نہ رہ سکے۔

20 محرم الحرام 1349ھ قصبہ نبی پور (گجرات) کی جامع مسجد میں انجمن اہلسنت و جماعت کا جلسہ ہوا۔ جس کی صدارت قاضی اسماعیل نے کی۔ اس جلسہ میں یہ قرارداد منظور کی گئی۔

۱۔ یہ جلسہ گاندھی کی موجودہ تحریک آزادی و سول نافرمانی میں موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے ہندوؤں کے ظلم و ستم کا خیال کرتے ہوئے مسلمانوں کو گاندھی کی آندھی میں شرکت کرنے سے منع کرتا ہے۔

۲۔ یہ جلسہ جمعیتہ علماء ہند دہلی جو دیوبندیوں، وہابیوں پر مشتمل ہے اور آج کل کے گاندھی نما شکلوں کے ہاتھ کھلونائی ہوئی ہے اور جنہوں نے ہندوؤں کے ساتھ اس موقع پر اتحاد کیا اور وہ کانگریس اور گاندھی کی تحریک آزادی سول نافرمانی میں جذب ہو گئے، اس کو ہم انتہائی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔“ (۱)

(۱) السواد الاعظم، صفحہ ۱۳۴۹ھ، ص ۱۸، بتصرف تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم ص ۲۵۰،

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

۱۳۳۹ھ/۱۹۳۰ء میں مولوی عبدالرشید صاحب نے بنارس میں ”آل انڈیائی کانفرنس“ کے اجلاس منعقد کئے اور پاک و ہند کے تمام خاتقاہوں اور آستانوں کو اپنے اپنے نمائندے بھیجنے کی دعوت دی۔ یہ دعوت ”السواد الاعظم“ (شعبان المعظم ۱۳۳۹ھ) میں شائع ہوئی۔

اس پر فاضل مدیر، تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ نے جو دردمندانہ تبصرہ فرمایا ہے، وہ قابل مطالعہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

”آج دنیا کی ہر قوم اپنی ترقی کے لیے دشوار ترین منزلیں حوصلہ مندی کے ساتھ طے کر رہی ہیں، مگر ہم ایک جسم مردہ کی طرح بے حس و حرکت پڑے ہیں، ہم مٹتے جا رہے ہیں اور ہمیں اپنی حفاظت کا خیال تک بھی نہیں آتا، کاش کہ ہم میں آثار حیات عود کریں، ہماری آنکھ کھلے، ہمارے ہوش درست ہوں، ہم میں جذبہ عمل پیدا ہو، وہ اسلاف جن کے ناموں پر فخر کیا کرتے ہیں، جن کے کارناموں کو دنیا کے سامنے پیش کر کے اپنے وقار و اقتدار کے سکے جمایا کرتے ہیں، اے کاش ہم ان کی راہ پر دو چار ہی قدم چل سکیں، مبارک ہے وہ شخص جس کے دل میں دردملت ہو!“ (۱)

جس کسمپرسی کے عالم میں آل انڈیائی کانفرنس قائم کی گئی اور اس کے اجلاس بلائے گئے۔ اس کا کچھ اندازہ اس پُرسوز اپیل سے ہوتا ہے جو حضرت تاج العلماء نے ان الفاظ میں پیش کی تھی:

”ظاہر ہے کہ دنیا کا سر و سامان ہمارے پاس نہیں، ہمارے طبقہ کا

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

طبقہ غریب ہے، نادار ہے، بے زر ہے، ہم دوسروں کی طرح کثیر اموال خرچ کرنے کے قابل نہیں، ہم میں وسعت نہیں کہ اپنے اکابر اور حامیاں ملت کو جمع کرنے کے لیے ان کے مصارف سفر کا تکفل بھی کر سکیں۔ ہم میں طاقت نہیں کہ ہم ان کے شان کے لائق میزبانی کی خدمتیں انجام دے سکیں۔ اس لیے ہم درد مندانہ ملت سے التجا کرتے ہیں کہ اگر وہ اس اجتماع کو دین و ملت کے لیے نافع خیال فرمائیں تو زحمت سفر بھی برداشت کریں۔^(۱)

اس کانفرنس سے کچھ قبل ۸ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ کو پھپھوند (ضلع اٹاوا بھارت) میں آل انڈیائی کانفرنس کا اجلاس ہوا، جس میں مفتی سید مصباح الحسن صاحب سجادہ نشین آستانہ صمدیہ پھپھوند اور صدر جماعت استقبالیہ سنی کانفرنس کا خطبہ صدارت پڑھ کر سنایا گیا، اس میں مفتی صاحب نے صدر الافاضل کی خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا:

”مقام مسرت ہے کہ آل انڈیائی کانفرنس کے عالی قدر ناظم اعلیٰ حضرت صدر الافاضل مولانا حافظ سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی اور کانفرنس کے دوسرے اکابر و کارکنان نے تین سال سے حالات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد سنی کانفرنس کی تشکیل کا مبارک آغاز فرمایا اور آج الحمد للہ، اس ادارے کی ہر صوبہ کے اندر شاخیں قائم ہو چکی ہیں اور سنی کانفرنس کی اہمیت و ضرورت کا احساس طبقہ اہل سنت میں پیدا ہوتا جا رہا ہے۔“^(۲)

(۱) السواد الاعظم، شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ، ص ۱

(۲) خطبہ صدارت، مصباح الحسن، ص ۴، مطبوعہ مراد آباد

آپ سیاست حاضرہ کے عنوان سے اس خطبے میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

”عصر حاضر میں مسلمانانِ ہند کی سیاست نے ۱۹۴۲ء سے جو نئی کورٹ بدلی ہے اور مسئلہ پاکستان یعنی قیام حکومت اسلامیہ کا جو جذبہ عوام و خواص میں پیدا ہو رہا ہے، اسے ہمارے علماء اہل سنت نے یہی نہیں کہ دور بیٹھ کر صرف مطالعہ ہی کیا ہے بلکہ ہماری جماعت کے محترم علماء کرام، مجاہدانہ حیثیت سے اول تا آخر اس جذبہ کے محرک کے مؤید بنے ہوئے ہیں اور کانگریس جیسی ہندو جماعت کے مقابلے پر دس سال کے طویل زمانے سے بے پناہ خدمات انجام دے کر کانگریس کی ہر تحریک کو مردہ کر چکے ہیں۔“ (۱)

مفتی مصباح الحسن نے علماء اہل سنت کی جن مجاہدانہ کارگزاریوں کی طرف اشارہ فرمایا اس کا نقطہ عروج بنارس کی آل انڈیائی کانفرنس کے وہ چار روزہ اجلاس تھے جو تحریک پاکستان میں نہایت مؤثر اور انقلاب انگیز ثابت ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کے مختصر حالات و کوائف پیش کر دیئے جائیں۔

۲۴ جمادی الاولیٰ تا ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ء (۲۷ اپریل تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء) بنارس میں آل انڈیائی کانفرنس کے اجلاس منعقد ہوئے۔ چاروں دن اجلاس کی صدارت محدث علی پوری حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب (۱۳۷۰/۱۹۵۱ء) نے فرمائی۔

ان اجلاس میں پاک و ہند کے تقریباً دو ہزار علماء کرام اور ۶۰ ہزار دوسرے عام حاضرین شریک تھے۔ خطبہ صدارت حضرت مولانا شاہ سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ (م۔ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) نے دیا۔ یہ خطبہ تاریخی اور سیاسی حیثیت سے نہایت اہم ہے اور

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

اس قابل ہے کہ کوئی سنجیدہ مورخ و سیاست داں گہری نظر سے اس کا مطالعہ کر کے اس کی اصلی قدر و قیمت سے مبالغہ وطن کو آشنا کرے۔ اس میں پاکستان اور مسلمانوں کے معاشی و علمی و سیاسی مسائل کے بارے میں جو انقلاب انگیز اور صاف ستھرے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ توجہ کے قابل ہیں۔

آل انڈیائی کانفرنس میں جو تجاویز منظور ہوئی ان میں نظریہ پاکستان کی خاص طور پر حمایت کی گئی ہے۔ چنانچہ ۲۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو بوقت ۹ بجے تا ایک بجے دوپہر باغ فاطماں میں جو اجلاس ہوا اس میں پاکستان کے بارے میں یہ قرارداد منظور کی گئی۔

۱۔ ”آل انڈیائی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت، اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن حکیم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہوں۔“ (۱)

۲۔ یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کیلئے مکمل لائحہ عمل (اور مستقل دستور) مرتب کرنے کیلئے مندرجہ ذیل علماء پر مشتمل ایک کمیٹی بھی تشکیل دی جائے اور حسب ضرورت و مصلحت ممبران میں اضافہ کرے اور اس طرح اضافہ کرے کہ تمام صوبہ جات سے مفتی نمائندے لئے جائیں۔“

چنانچہ درج ذیل مشاہیر علماء و فقہاء کی کمیٹی تشکیل دی گئی۔

(۱) مولانا شاہ سید محمد محدث کچھوچھوی

(۲) صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی

(۱) مختصر رپورٹ خطبہ صدارت جمہوریت اسلامیہ، مطبوعہ مراد آباد

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

- (۳) مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی
- (۴) مولانا امجد علی اعظمی
- (۵) مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی
- (۶) مولانا شاہ محمد عبدالحمید مدنی
- (۷) مولانا شاہ سید دیوان آل رسول علی خان (سجادہ نشین اجمیر شریف)
- (۸) حضرت مولانا ابوالبرکات سید احمد لاہوری
- (۹) مولانا شاہ قمر الدین (سجادہ نشین سیال شریف)
- (۱۰) مولانا پیر سید شاہ عبدالرحمن (بھر چونڈی سندھ)
- (۱۱) مولانا شاہ پیر سید زین الحسنات صاحب (مانکی شریف، پشاور)
- (۱۲) خان بہادر حاجی بخش مصطفیٰ علی (مدراں)
- (۱۳) مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد لاہور و غیرہم (۱)

(باب ششم)

تقسیم ہند اور فاضل بریلوی کے خلفاء

*** فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ***

(باب ششم)

تقسیم ہند اور فاضل بریلوی کے خلفاء

بالعموم تقسیم ہند کا ذمہ دار قائد اعظم محمد علی جناح کو قرار دیا جاتا ہے جو ایک تاریخی غلط فہمی ہے۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (سرپرست ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی) سب سے پہلے تقسیم ہند کے سلسلے میں مفصل تجاویز ۱۹۲۵ء میں اہلسنت و جماعت کے ایک ممتاز عالم دین مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی نے پیش کی تھیں۔ انھوں نے ہندو مسلم اتحاد پر ایک کھلا خط گاندھی کے نام لکھا تھا۔ مطبوعہ علی گڑھ ص ۵۵ پر یہ عبارات موجود ہیں۔

۱۔ ہندوستان کی تقسیم از سر نو قومیت کی بناء پر اس طرح تقسیم کی جائے کہ ہر قوم کے لئے بڑے سے بڑا حصہ اس کی آبادی کا علیحدہ کر دیا جائے اور یہ حصہ اس قوم کا حلقہ اثر قرار دیا جائے۔ مثلاً مسلمانوں کے لئے حسب ذیل تین صوبہ بنائے جاسکتے ہیں۔^(۱)

(الف) صوبہ سرحدی (سرحد، بلوچستان) اور مغربی پنجاب کے دس اضلاع راولپنڈی، انک، جہلم، گجرات، میانوالی، جھنگ، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان اور ملتان کو یکجا کر کے ایک صوبہ بنایا جائے۔

(ب) بنگال میں بوگرا، رنگ پور، تاج پور، دیناج پور، جیسور، ندیا، فرید پور، ڈھاکہ، راجشاہی، پینا، میمن سگھ، باقر گنج، نواکھالی، ٹیرپوا، چٹاگانگ کے اضلاع کا دوسرا صوبہ بنادیا جائے۔

(ج) سندھ کو بمبئی ریونیٹی سے جدا کر کے تیسرا صوبہ بنادیا جائے۔

(۱) بتصرف تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم ص ۲۷۶-۲۷۷، مطبوعہ رضا پبلی کیشنز داتا دربار لاہور

(۲) یہ بات اصولاً طے کر دی جائے کہ اس تقسیم کے بعد ہر حصہ ملک کا نظم و نسق اس کے کثیر تعداد اور عایا کے مفاد کے لئے کیا جائے گا۔

(۳) قلیل تعداد اقوام کی حفاظت اور ادائے مراسم مذہبی و حقوق ملازمت وغیرہ کیلئے قواعد مرتب کر لیے جائیں۔

(۴) تبادلہ آبادی کیلئے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں تاکہ قلیل التعداد اقوام کے افراد جو کسی وجہ سے ترک وطن کر کے خود اپنی قوم کے حلقہ اثر میں جانا چاہیں وہ بغیر زیادہ نقصان کے تبدیلی سکونت کر سکیں۔

(۵) کمیشن مجوزہ کا فیصلہ قومی معاہدہ کی صورت میں ترتیب دیا جائے اور گورنمنٹ کے سامنے بطور ملکی مطالبہ کے عمل درآمد کیلئے پیش کیا جائے۔

۱۹۳۰ء میں ڈاکٹر اقبال نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے 21 ویں اجلاس میں سیاسی پلیٹ فارم اسی تجویز کو آگے بڑھایا۔ پھر یہی تجویز ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر انگلستان میں حکومت برطانیہ کے سامنے پیش کی گئی۔ حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ طبقہ علماء میں پہلے عالم دین ہیں جنہوں نے ۱۹۳۰ء میں ماہنامہ السواد الاعظم مراد آباد میں اس تجویز کی پرزور تائید کی تھی۔ (۱)

اور انہوں نے فرمایا کہ ”ڈاکٹر اقبال کی رائے بالکل درست ہے اور ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ جس کے ایک حصہ میں ہندوؤں کا اقتدار ہوگا اور دوسرا مسلمانوں کے۔ ہندوؤں کو کسی قدر اس پر غیض و غیظ آیا۔ یہ (اس وقت کے) ہندو اخبارات کو دیکھنے سے ظاہر ہوگا۔ کیا یہ نا انصافی کی بات تھی؟ اگر اس کے ایک طرف مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا تھا تو ہندوؤں کو بھی اس نسبت سے نفع ملتا تھا۔

کیا چیز تھی جو اس رائے کی مخالفت پر ہندوؤں کو برا بیچنے کرتی رہی اور انھیں اس میں اپنا کیا ضرر نظر آیا۔ بجز اس کے کہ مسلمانوں کی بقاء کی ایک صورت اس میں نظر آرہی تھی اور انھیں توڑا سا اقتدار ملا جاتا تھا، اس کو تو کون جانتا ہے کہ پردہ غیب سے کیا ظہور کرے گا اور مستقبل میں کیا صورتیں سامنے لائے گا۔ لیکن ہندو اس وقت ایسی خالی بات بھی نوک زبان پر لانے کے لئے تیار نہیں ہیں جو مسلمانوں کو اچھی معلوم ہو۔ اس حالت میں بھی مسلمان کہلانے والی جماعت ہندوؤں کا کلمہ پڑھتی ہے اور اپنی پرانی فرسودہ لکیر کو پیٹا کرے تو اس پر ہزار افسوس! کاش اس وقت یہ حضرات خاموش ہو جائیں اور کام کرنے والوں کو کام کر لینے دیں۔ مسلمانوں کی طرف سے ایک مطالبہ ہو اور ایک آواز۔ گو اس میں اندیشہ ہے کہ بعض صاحبوں کی لیڈری اور پیشوائی کا علم بلند ہونے سے رہ جائے گا مگر وہ اپنی اس خواہش کو کسی دوسرے موقع کے لئے اٹھا رکھیں۔

پھر صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے علامہ اقبال کی تائید کے تقریباً ایک سال بعد جب کہ لندن میں گول میز کنفرنس جاری تھی، اپنے ایک ادارہ میں دو قومی نظریہ کی روشنی میں مسلم مناقشات کا حل تجویز کرتے ہوئے لکھا کہ:

”جب ہندو اپنی حفاظت اسی میں سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے مخلوں سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنی حدود علیحدہ کر لیں تو مسلمانوں کو یقیناً ان کے مخلوں میں جانے اور اس کے ساتھ کاروبار رکھنے سے احتیاط رکھنا چاہئے۔ دونوں اپنے اپنے حدود جدا گانہ قرار دیں اور اس نکتہ کو ملحوظ رکھ کر سیاسی مباحث کو طے کر لیں یعنی ہندوستان میں ملک کی تقسیم سے ہندو مسلم علاقے جدا جدا بنالیں تاکہ باہمی تصادم کا اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے۔ ہر علاقہ میں اسی علاقوں والوں کی حکومت ہو۔ مسلم علاقوں میں مسلمانوں کی اور ہندو علاقوں میں ہندوؤں کی“۔ (۱)

مذکورہ بالا تاثرات میں صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے کئی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ ہندو فطری طور پر کسی ایسے خیال کے بھی روادار نہیں جس میں کہ مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی بھلائی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کے ساتھ قوم پرست علماء جنہیں جمعیت علماء ہند کہا جاتا ہے ایسے نازک وقت میں اگر مسلمانوں کے ساتھ کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم خاموش ہی رہیں تاکہ مسلمانوں کے ابھی خواہوں کی راہ میں رکاوٹ تو پیدا نہ ہو۔ لیکن لیڈری کا ذوق و شوق بہت برا ہوتا ہے یہ بھی ایک طرح کا نشہ ہے جب لگ جاتا ہے چھوٹا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے یہ نصیحت کی کہ مسلمان قوم پرست لیڈر ایثار و قربانی سے کام لے کر کچھ عرصہ بیٹھ جائیں۔

۱۹۳۳ء میں چوہدری رحمت علی (المتوفی ۱۹۵۱ء) نے ایک علیحدہ ریاست کے قیام کی تجویز کی تائید کی تھی اور اسی سال انھوں نے (غالباً سب سے پہلے) جدید اسلامی ریاست کا نام ”پاکستان“ تجویز کیا۔ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان لاہور میں منظور ہوئی۔ اس موقع پر بھی علماء اہلسنت کے جلیل القدر علماء مولانا سید ابوالبرکات سید احمد قادری، مولانا ابوالحسنات احمد قادری اور مولانا عبدالحامد بدایونی علیہم الرحمۃ اسٹیج پر موجود تھے اور ضروری مشورے دیئے۔ ۱۹۴۶ء میں علماء اہلسنت اور مشائخ نے پورے ہندوستان کا دورہ کر کے جمعیت المکرزبہ العالیہ یعنی آل انڈیائی کانفرنس بنارس کے انعقاد کے لئے اعلان کر دیا اور ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۳ تا ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ کو پورے ہندوستان سے علماء مشائخ اہلسنت قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور ساٹھ ہزار سے زائد عام مسلمانوں کا ٹھانٹھیں مارتا ہوا اجتماع، بنارس کی سرزمین پر امنڈ آیا اور حضرت رئیس المحدثین امام المہتممین مولانا الحاج السید الشاہ ابوالحامد سید محمد الاثرنی الجیلانی المعروف بہ محدث کچھوچھوی (صدر جماعت استقبالیہ) کے ہر ہر لفظ اور فقرے پر جھوم جھوم رہا تھا۔ تحسین مرحبا و نعرہائے تکبیر و رسالت

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

سے بنارس کی فضاء آسمانی گونج رہی تھی۔ اس عظیم الشان آل انڈیائی کانفرنس بنارس میں ہزاروں علماء و مشائخ اور عوام اہلسنت ہند نے قرارداد پاکستان کی زبردست حمایت و تائید کی۔ حضرت قائد اعظم محمد علی جناح و دیگر سیاسی قائدین اور علماء اہلسنت و مشائخ کی مشترکہ جدوجہد سے ہی حقیقتاً پاکستان وجود میں آ گیا۔

راقم الحروف کی رائے میں اگر علماء اہلسنت و مشائخ اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلفاء اور تلامذہ اس تحریک میں شریک نہ ہوتے تو قیام پاکستان کا خواب پایہ تکمیل تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا تھا۔ پاکستان علماء اہلسنت اور مسلمانوں کی حمایت و تائید اور ان کی انتھک جدوجہد و مساعی کا مرہون منت ہے، جنہوں نے ہندو مسلم اتحاد کے داعی اور قوم پرستوں کے مقابلے میں سینہ سپر ہو کر علماء اہلسنت اور مشائخ کی قیادت میں مسلمانان ہند میں جذبہ اسلامی کو بیدار کیا جو تعمیر پاکستان کی تمہید ثابت ہوا۔

معروف مؤرخ میاں عبدالرشید صاحب نے فاضل بریلوی اور ان کے متبعین کی سیاسی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے بالکل درست اور صحیح لکھا ہے۔

" When Pakistan resolution was passed in 1940, the efforts of Hazrat Barelvi Bore Frute and all his adherents and followers, including ulema spiritual leaders rose as one man to support Pakistan movement. Thus, the contribution of Hazrat Barelvi towards Pakistan is not less then of Allama Iqbal and Quaid-i-Azam." (1)

(1) Mian Abdul Rasheed: Islam in Indo-Pak Sub-continent Lahore, 1977.

﴿ تصویر کا دوسرا رخ ﴾

آخر میں تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو۔ آج جمعیت علماء اسلام کے بعض حضرات اور دیگر جماعت والے ہر فورم پر یہ دعویٰ کرتے نہیں تھکتے کہ تحریک پاکستان کی کامیابی اور پاکستان کا حصول ان کے بزرگوں کی جدوجہد کا ربینِ منت ہے۔ اس کی تردید میں پاکستان کی مخالف جماعتوں کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب ضیاء الاسلام زبیری تحریر کرتے ہیں:

”تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور اس قسم کے دوسرے لوگ مثلاً ابوالکلام آزاد اور حسین احمد مدنی (صدر جمعیت علماء ہند) اپنے دور میں فنِ خطابت کے امام تھے، ہندو کانگریس نے ان کے فنِ خطابت ہی کی وجہ سے ان کو بھاری قیمت کے عوض خرید رکھا تھا۔ متحدہ ہندوستان میں جب کانگریس نے رابطہ عوام کی ہمہ گیر مہم شروع کی تو سادہ لوح مسلمانوں کو اسلام کے نام پر بے وقوف بنانے کے لئے انہیں حضرات کے فنِ خطابت کا استعمال کیا گیا۔“ (۱)

مولانا جلال الدین قادری تحریر کرتے ہیں کہ:

”1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے نفاذ کے بعد مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ مسلم لیگ کی تنظیم نو کی گئی اور 1937ء کے انتخابات کے لئے تیاریاں شروع ہو گئیں۔ ان انتخابات کے نتیجہ میں قائم

*** فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ***

ہونے والی کانگریسی وزارت (حکومت) کے مظالم کی بنیاد پر 1940ء میں علیحدہ وطن کا مطالبہ ”مطالبہ پاکستان“ کیا گیا۔ قائد اعظم نے تمام مسلمان جماعتوں سے مسلم لیگ کی حمایت کرنے کی درخواست کی، مذاکرات ہوئے، مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام کی وضاحت کی گئی۔ اسی دوران قائد اعظم نے اکابر دیوبند سے بھی مسلم لیگ کی تائید کی اپیل کی مگر جمعیت علماء ہند کے اکابر مسلم لیگ کے بجائے کانگریس کے حامی بن گئے۔^(۱)

اس کا اعتراف مفتی دیوبند مفتی محمد شفیع (متوفی 1976ء) والد ماجد مفتی محمد تقی عثمانی اپنے ایک انٹرویو میں یوں فرماتے ہیں:

”35ء کے آخر میں یہ نوبت آگئی کہ سیاست کا علم کانگریس کے ہاتھ میں تھا اور مسلمان اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ اب اس انداز کی سیاست دیوبند میں بھی درآئی تھی..... دیوبند میں کانگریسی مزاج پختہ ہوتا چلا گیا۔“^(۲)

ان حالات کے پس منظر کا تذکرہ کرتے ہوئے معروف محقق اور قائد اعظم اکیڈمی کے ڈائریکٹر جناب خواجہ رضی حیدر رقم طراز ہیں:

”ان اجلاسوں سے مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید نے بھی خطاب کیا اور انہوں نے کہا کہ دیوبند کا ادارہ اپنی تمام خدمات لیگ کے لئے پیش کر دے گا بشرطیکہ پروپیگنڈے کا خرچ لیگ برداشت کرے۔ اس کام کے لئے فوری طور پر پچاس ہزار کی رقم طلب کی گئی جو لیگ کی استعداد سے باہر تھی۔ اس لئے محمد علی جناح نے اس مطالبہ کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ

(۱) خطبات آل انڈیائی کانفرنس، ص 69-68، مصنفہ علامہ جلال الدین قادری، مطبوعہ مکتبہ رضویہ گجرات

(۲) ماہنامہ اردو ڈائجسٹ، لاہور، جولائی 1968ء، ص 28

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

نہ تو اتنا سرمایہ لیگ کے پاس فی الوقت موجود ہے اور نہ ہی اس کا مستقبل میں امکان ہے، اس لئے صرف قومی جذبے کے پیش نظر کام کیا جائے۔ مرزا ابوالحسن اصفہانی نے لکھا ہے کہ ان علماء کو اس سے مایوسی ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ ہندو کانگریس کی طرف ڈھلکنے لگے اور کانگریس پارٹی کے لئے پرچار کرنے لگے جو ظاہر ہے کہ ان کے مالی تقاضے پورے کر سکتی تھی۔ (۱)

یہ بات بھی تاریخ سے حذف نہیں کی جاسکتی کہ جس وقت مسلم لیگ سوادِ اعظم کے ساتھ قائد اعظم کی عظیم قیادت میں پاکستان کے قیام کیلئے سرگرم عمل تھی اور ہندوؤں، سکھوں اور انگریزوں کے خلاف صفِ آرا تھی تو جماعت اسلامی نے نہ اشتراک کیا نہ تعاون بلکہ مخالفت میں پیش پیش رہی۔ (ملاحظہ ہو، روزنامہ نوائے وقت لاہور، 10 مئی 1978ء، ص 2) لیکن یہ بھی ایک طرفہ تماشا بلکہ المیہ ہے کہ 1978ء کے جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل احمد صاحب نے ایک بیان میں یہ تاثر دیا کہ پاکستان کے بانیوں میں جناب ابوالاعلیٰ مودودی بھی تھے۔

جماعت اسلامی کا ترجمان ”کوثر“ اپنی 28 اکتوبر 1945ء کی اشاعت میں ”1945ء کا تاریخی الیکشن“ کے عنوان سے لکھتا ہے:

”بعض خوش فہم لیگی حضرات کا خیال تھا کہ جماعت اسلامی اس الیکشن میں ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کی امداد کرے گی اور مسلم لیگ کا ساتھ دے گی۔ چنانچہ انہوں نے مخلصانہ طور پر جماعت اسلامی کو اس سلسلہ میں

(۱) قائد اعظم کے 72 سال، ص 303-304، خواجہ رضی حیدر
مزید تفصیلات کیلئے ”قائد اعظم میری نظر میں“ از ایم۔ اے ایچ اصفہانی، مطبوعہ لاہور 1976
ملاحظہ فرمائیں۔ (نوری)

دعوت بھی دی جو اس نے ٹھکرا دی اور صاف اعلان کر دیا کہ:

”ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے کہ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخاب کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو، بہر حال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحتوں کی بناء پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ایمان لائے ہیں۔“

حالانکہ قیام پاکستان کے بعد مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اور ان کے رفقاء نے اپنے اصولوں کی اپنے ہاتھوں دھجیاں اس طرح اڑا دیں کہ ہر انتخاب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے آرہے ہیں۔

ان سب تاریخی شواہد سے قطعی طور پر یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاضل بریلوی کی دینی اور سیاسی فکر کے امین افراد ہی اصل میں معمار پاکستان ہیں اور ان کے کردار کو فراموش کرنے کے تحریک آزادی ہند یا تحریک پاکستان کی کوئی بھی تاریخ اگر لکھی جائے گی تو ایک حقیقت شناس مؤرخ کی نگاہ میں ہمیشہ غیر معتبر اور غیر مستند ہی سمجھی جائے گی۔ اس لئے تاریخ کے طالب علموں کو ان تحریکوں کے پس منظر اور پیش منظر کو پرکھنے اور بہت احتیاط کے ساتھ تمام مستند اور معتبر حوالوں کو پیش نظر رکھ کر تجزیہ کرنا ہوگا۔

اب میں اس اہم اور قیمتی بحث کو جامعہ کراچی کے سابق استاد شعبہ سیاسیات پروفیسر ڈاکٹر سید اظہر علی کے ان منظوم کلمات پر ختم کرتا ہوں:

سورج غروب ہوتا نہ تھا جس کے راج میں
اقوام کے نصیب ملے جس کے تاج میں

آزادیاں جو لیتا تھا اپنے خراج میں
حضرت کو اک سمن ملا اس سامراج میں
”ہش“ کر کے اس سمن کو نظر سے ہٹا دیا
انگریز کی کچھری کو ٹھینکا دکھا دیا

ان کی نظر میں جو بھی تھا جیسا ، جتا دیا
انگریز کو مقام بھی اس کا بتا دیا
تصویر بادشاہ کو نیچا دکھا دیا
خط پر ٹکٹ لگایا تو اُلٹا لگا دیا

مقصد یہ تھا کہ ہر کوئی اوقات پر رہے

انگریز حکمران کا نیچے کو سر رہے

اُلٹا ٹکٹ کچھ ایسا کہ تختہ الٹ گیا

انگریز حکمران کا پتا ہی کٹ گیا

زچ ہو کے اپنے ملک کو واپس پلٹ گیا

سیلاب اقتدار کنوئیں میں سمٹ گیا

عالم کے حکمران جزیرے میں آگئے

الٹی بساط ، بخت کے تیرے میں آگئے

اک احتجاج اٹھا خلافت کی بات کا

یہ معاملہ تھا صرف مسلمان کی ذات کا

گاندھی نے موقع دیکھا سیاسی برات کا

مسجد میں داخلہ ہوا ، لات و منات کا

تحریک مسلمین کا رخ موڑنے لگے

پکے پکائے دیکھے تو پھل توڑنے لگے

گاندھی نے جھٹ سے ترکِ موالات کیا

آسودہ زندگی کو پُرآفات کر دیا

تحریک مسلمین کو خرافات کر دیا

اس قوم کو سپردِ حوالات کر دیا

اک موج تھی کہ جس میں مسلمان بہہ گئے

کافر کی رو میں صاحبِ ایمان بہہ گئے

مسلم سے ہندوؤں کے یہ پیرائے ہو گئے

دونوں میں دوستی ہوئی یک رائے ہو گئے

جو دور دور رہتے تھے ہمسائے ہو گئے

ہمسائے ایک نعرے میں ماں جائے ہو گئے

مسلم کو کچھ نہ فکر تھی اپنے مال کی

جے تھی مہاتما کی ، وجے رام لال کی

کچھ مسلموں نے یہ کسی مفتی کی مان لی

گھر بار اپنے بچ کے ہجرت کی ٹھان لی

سوچی نہ اگلی پچھلی کچھ ایسی اڑان لی

ہجرت کی مشکلوں نے ہزاروں کی جان لی

سازش یہ تھی کہ ہند سے ان کی خروج ہو

اپنے مہاشے جی کا یہاں پر عروج ہو

حضرت رضا کو علم تھا کیا یہ کھیل ہے
دراصل کس کے ہاتھ میں سب کی نیل ہے
منڈھے چڑھے گی اس میں جو، وہ کس کی نیل ہے
کتنے تلوں میں تیل ہے اور کتنا تیل ہے

اس تیل سے چراغ جلائیں گے کون لوگ
تاریکیوں میں رات بتائیں گے کون لوگ

حضرت نے مسلوں کو اٹھا جھنجھوڑ کر
گانڈھی کا اصل روپ نکالا کنکھوڑ کر
ہندوؤں کی سب سنائی کھا گوڑ گوڑ کر
علماء کے بھاری فتوے کو رکھا نچوڑ کر

سارے طلسم ٹوٹے تو پھر روشنی ہوئی
سوئے دماغوں میں ایک سنسنی ہوئی

اب سحر سامری سے نکلنے لگے تھے لوگ
ٹھوکر لگی تو خود ہی سنبھلنے لگے تھے لوگ
حضرت کی سچی بات سمجھنے لگے تھے لوگ
ان کے بتائے ہوئے رستے پر چلنے لگے تھے لوگ

آنکھیں کھلیں تو قوم کی، پر کیا مزا ملے
حضرت تو اپنے رب حقیقی سے جا ملے (۱)



کتابیات

- 1 القرآن الکریم
- 2 الاحادیث النبویہ
- 3 انفس الفکر فی قربان البقر، مولانا احمد رضا خان بریلوی، بریلی
- 4 الازاجازات الرضویہ لمجل مکہ المہیۃ، لاہور، 1976
- 5 اثبات ذبیحہ، مولانا جلال الدین قادری، گجرات
- 6 الحجۃ المومتمنہ فی آیۃ الممتحنہ، مولانا احمد رضا خان بریلوی، لاہور
- 7 انوار رضا، ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ، لاہور
- 8 ابانۃ المتواری فی مصالحتہ عبدالباری، مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی
- 9 الطاری الداری لہفوات عبدالباری، مولانا احمد رضا خان بریلوی
- 10 اعلام الاعلام، مولانا احمد رضا خان بریلوی
- 11 آزادی کی منزل، جلال الدین قادری، گجرات
- 12 اوراقِ گم گشتہ، رئیس احمد جعفری، آئینہ ادب، لاہور
- 13 السواد الاعظم، شوال المکرم 1338ھ، مراد آباد، انڈیا
- 14 افاضات الیومیہ، مولانا اشرف علی تھانوی
- 15 ارشادات، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، علی گڑھ
- 16 تحقیقاتِ قادریہ، بریلی، 1919ء
- 17 تصویپاکستان ایک تحقیقی جائزہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
- 18 تحریک خلافت، قاضی محمد عدیل عباسی، نئی دہلی
- 19 تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

★★★ فاضل بریلوی کا سیاسی کردار..... تحقیقی و تاریخی جائزہ ★★★

- 20 تذکرۃ الرشید، مولانا رشید احمد گنگوہی، دیوبند
- 21 تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی و علمی کردار
- 22 حیاتِ اعلیٰ حضرت، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ 1402ھ
- 23 حیاتِ اعلیٰ حضرت، مولانا ظفر الدین بہاری
- 24 حیاتِ شبلی نعمانی، مولفہ مولانا سلیمان ندوی
- 25 حیاتِ جاوید، مولانا الطاف حسین حالی
- 26 خطبہ صدارت، مولانا مصباح الحسن، مراد آباد
- 27 خطبات آل انڈیائی کانفرنس، علامہ جلال الدین قادری، مطبوعہ مکتبہ رضویہ گجرات
- 28 رسائل رضویہ، مطبوعہ لاہور
- 29 روزنامہ ہمد، یکھنؤ، 20 مئی 1921ء
- 30 روزنامہ سعادت لاہور، 8 مارچ 1975
- 31 روزنامہ مشرق، گورکھپور، 13 جنوری 1921ء
- 32 روزنامہ نوائے وقت، 26 اگست 1971ء
- 33 روزنامہ حریت کراچی 13 نومبر 1945
- 34 علی برادران، لاہور
- 35 فتاویٰ رضویہ (قدیم) مبارک پور 1965ء
- 36 فتاویٰ گنگوہہ در ردۃ العلماء، بریلی 1314ھ
- 37 فتاویٰ الحرمین برہنۃ ندوۃ المین، مرتبہ امام احمد رضا خان بریلوی
- 38 قرارداد پاکستان تاریخ اور تجزیہ، خواجہ رضی حیدر، دیوان آگہی کراچی، 1990
- 39 قائد اعظم کے 72 سال، خواجہ رضی حیدر،
- 40 قائد اعظم میری نظر میں، ایچ اصفہانی، 1976، لاہور
- 41 گنج ہائے گرانمایہ، پروفیسر رشید احمد صدیقی، آئینہ ادب لاہور

- 42 مجموعہ فتاویٰ رضویہ (جدید ایڈیشن)، مطبوعہ لاہور
- 43 مجموعہ فتاویٰ عبدالحی لکھنوی، مولانا عبدالحی لکھنوی
- 44 ملفوظات، حصہ اول، فرید بک اسٹال لاہور
- 45 مقالات یومِ رضا، حصہ اول، لاہور، 1970
- 46 مجلہ انور، مطبوعہ علی گڑھ، مولفہ مولانا سید سلمان اشرف، بہار 19۲۱ء
- 47 مہر گنگوہہ در ردِ ذندہ، ص 12، مطبوعہ بریلی 1314ھ
- 48 مکتوباتِ امام ربانی، امرتسر ۱۳۳۳ھ
- 49 ماہنامہ ”معارفِ رضا“ کراچی
- 50 ماہنامہ اظہار، کراچی، مقالہ سید ہاشم رضا، 1986ء
- 51 ماہنامہ اردو ڈائجسٹ، لاہور، 1968ء
- 52 مولانا احمد رضا خان بریلوی کی خدمات پر مشاہیر جامعہ کراچی کے تاثرات،
ڈاکٹر جلال الدی احمد نوری، امام ابوحنیفہ اسلامک فاؤنڈیشن، کراچی، 2004
- 53 نزہۃ الخواطر، مولانا ابوالحسن علی ندوی، حیدر آباد دکن
- 54 یادگارِ شبلی، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1971
- Mian Abdul Rasheed: Islam in Indo-Pak Sub-continent 55

Lahore, 1977

